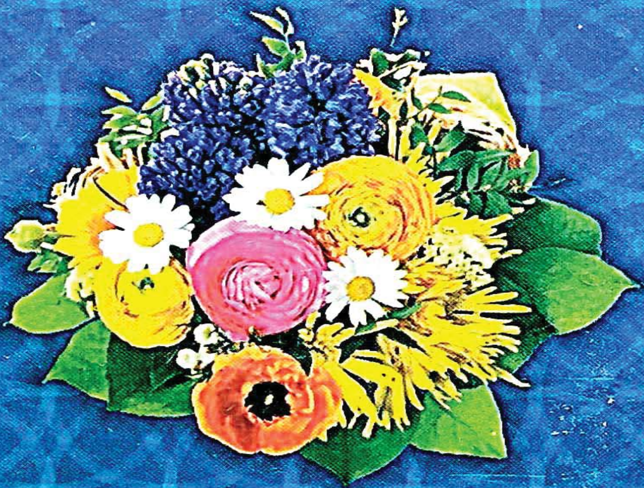
سیدۃ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یعنی

بنتِ رسولؐ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے سوانح حیات اور سیرت مُبارک



تألیف مولانا ابو القاسم محمد رفیق دلاوری

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت مُلتان

سیّدۃ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یعنی

بنتِ رسولؐ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے سوانح حیات اور سیرت مبارک

تألیف مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان ۔ 061-4783486

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

تالیف : حضرت مولانا ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۱۹۲

قیمت : ۱۰۰ روپے

مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

طبع دوم : اپریل ۲۰۱۹ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْد!

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دلاور ایک گاؤں ہے جو وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ میں واقع ہے۔ اسی نسبت سے مولانا ابوالقاسم محمد رفیق صاحب دلاوری کہلاتے تھے۔ آپ لاہور جامع مسجد نیلا گنبد میں خطیب رہے۔ آپ اپنے زمانہ میں نامور اہل قلم تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، چوہدری افضل حق، آغا شورش کاشمیری، جوش ملیح آبادی، دیوان سنگھ مفتون، مولانا ظفر علی خان، مولانا غلام رسول مہر ایسے نامور اہل قلم سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ بعض وجوہ سے نمایاں شان لئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی تحریر کی عمدگی برمحل الفاظ کا استعمال قابل قدر اور لائق تقلید ہے۔ ان کی ہر تصنیف جہاں اردو ادب کا شاہکار ہے وہاں تحقیق و معلومات کا بیش بہا خزینہ بھی ہے۔ مولانا کا قلم رواں اور سلیس ایسا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ادب کے پیرایہ میں ایسے ادا کرتے ہیں کہ بس کمال ہی کر دیتے ہیں۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی لائبریری میں آپ کی درج ذیل کتب محفوظ و موجود ہیں:

۱...... عماد الدین: یہ کتاب ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ نماز کے فضائل و مسائل کا مجموعہ ہے۔ آج سے نصف صدی قبل مدارس کے ابتدائی درجات میں شامل نصاب رہی۔ یہ کتاب سوال و جواب کے انداز پر مرتب کی گئی ہے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے بڑے سائز کے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل اسے شائع کیا۔

۲...... سیرت کبریٰ: ۱۴؍نومبر ۱۹۵۱ء میں تالیف مکمل ہوئی۔ رحمت عالم ﷺ کی سیرت طیبہ پر اردو میں اس سے بہترین کتاب فقیر راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ اردو ادب کا کامل و مکمل نمونہ، معلومات کا انبار، سیرت طیبہ کا کوئی اہم واقعہ ایسا نہیں جو اس کتاب میں درج نہ ہو۔ ترتیب و تشکیل اور ادائیگی میں ادب و احترام کا وہ منظر کہ ہر جگہ مسحور کن نظارہ کا سماں لئے ہوئے ہے۔ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئی۔ اب تک لیتھو پر چھپ رہی ہے۔ کاش! کوئی بندۂ خدا اسے کمپیوٹر پر عمدہ کاغذ دیدہ زیب شائع کر

کے عشق رسالت مآب ﷺ کا ثبوت دے تو جہاں مصنف مرحوم کے لئے ثواب سے مزید راحت ملے، وہاں ناشر کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو۔

۳...... شمائل کبریٰ: نومبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کے شمائل مبارکہ کا خوبصورت مرقع حسن ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق عظمیٰ پر محققانہ، مؤرخانہ، جدید دلآویز اسلوب بیان اور نہایت اہم کتاب ہے۔ مولانا کی وفات کے بعد مولانا عبدالحکیم خان نشتر نے بعض ابواب کی تکمیل واضافے اور مولانا غلام رسول مہر نے نظرثانی فرمائی۔ شیخ غلام علی، لاہور نے شائع کی۔ ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴...... اصلاحات کبریٰ: ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء میں تالیف ہوئی۔ اس کے ٹائٹل پر مصنف مرحوم نے خود یہ تعارف لکھا ہے۔ ''جس میں دکھایا گیا ہے کہ جن ایام آشوب میں ختم المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ اس عالم ناسوت میں قدوم فرما ہوئے۔ اس وقت صفحۂ ہستی پر عموماً اور سرزمین عرب میں خصوصاً کیا کیا خرابیاں اور برائیاں رونما تھیں اور دنیا کے مصلح اعظم ﷺ نے ان کو کس طرح دور کیا اور ان میں کیا کیا اصلاحات فرمائیں۔''

۵...... سیرت ذوالنورینؓ: سیدنا عثمان بن عفانؓ کی سیرت پر اپنے وقت کی سب سے بہترین کتاب ہے۔ جس کی دو جلدیں پونے نو سو صفحات پر مشتمل ہیں یہ کتاب ۱۱؍جنوری ۱۹۵۷ء کو مؤلف نے مکمل کی۔

۶...... بالتوضیح عن رکعات التراویح: یہ ۱۴؍اپریل ۱۹۵۲ء کو مکمل ہوئی۔ اس کے صفحات ۱۴۴ ہیں اور بیس رکعات تراویح پر مکمل ومدلل مباحث پر مشتمل ہے۔

۷...... ائمہ تلبیس: یہ کتاب ۴؍جنوری ۱۹۳۷ء کو مصنف نے مکمل فرمائی۔ مصنف اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں: ''ائمہ تلبیس یا غارت گران ایمان'' ان مشہور دجالوں کی سوانح ہے جنہوں نے عہد رسالت سے لے کر آج تک الوہیت، نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے دوسرے جھوٹے دعوے کر کے ملت حنیفی میں رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں مارہائے آستین ثابت ہوئے۔'' اس کتاب کو بارہا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر نے شائع کیا، جو کمپیوٹر ایڈیشن کے ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی کتاب کو ''جھوٹے نبی'' کے نام سے اب ادارہ نگارشات لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔

۸...... رئیس قادیان: مدعی نبوت ومسیحیت مرزا غلام قادیانی کے مستند اور صحیح حالات پر

مشتمل یہ کتاب ہے۔ نومبر ۱۹۳۸ء کو مصنف مرحوم نے لکھی۔ اب اسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے کمپیوٹرایڈیشن پر شائع کیا جو پونے سات سوصفحات پر مشتمل ہے۔

۹...... مدعیان مذبوح یعنی ایمان کے ڈاکو: یہ کتاب مصنف مرحوم نے ۶/جولائی ۱۹۵۶ء کو مکمل کی جو بڑے سائز کے ۱۴۴/صفحات پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ صدیقیہ ملتان نے اسے شائع کیا۔ مصنف مرحوم نے اس کا تعارف خود یہ لکھا ہے: ''مال وزر کے ڈاکوؤں کے حالات تو روزمرہ پڑھتے ہیں۔ ایمان کے ڈاکوؤں کی حکایات بھی مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ نے اگر بصیرت سے کام لیا تو فتنہ گروں کو فوراً پہچان لیں گے اور اپنے ایمان کو اس دورفتن میں محفوظ کرسکیں گے۔''

مصنف مرحوم ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ جنوری ۱۹۶۰ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی پہلی تصنیف ائمہ تلبیس ہے۔ پھر اس کے بعد زندگی بھر آپ ردقادیانیت پر لکھتے رہے۔ جیسا کہ ایمان کے ڈاکو اور رئیس قادیان وغیرہ سے ظاہر ہے۔ ان نو کتب کے علاوہ آپ کی ایک کتاب:

۱۰...... سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ: کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اس کتاب کی تلاش کے لئے ربع صدی سے تگ ودو جاری تھی۔ ''الصدیق ملتان'' بھی اسی غرض سے جمع کیا گیا کہ شاید اس میں یہ کتاب بالاقساط شائع ہوئی ہو، لیکن مایوسی ہوئی۔ چنانچہ ''لولاک'' مارچ ۲۰۱۹ء کے کلمۃ الیوم میں لکھا تھا کہ شاید یہ کتاب سرے سے شائع ہی نہیں ہوئی۔ قارئین یہ سن کر خوشی محسوس کریں گے کہ ادھر ہماری طرف سے مایوسی کا اظہار ہوا اور ادھر قدرت کردگار نے اپنی رحمت بے پایاں کی موسلا دھار بارش برسادی۔ ۲۶/مارچ ۲۰۱۹ء منگل کو پشاور مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگ رہنما الحاج عنایت علی صاحب کا فون آیا کہ یہ کتاب مل گئی ہے۔ اگلے دن آپ نے وٹس ایپ کے ذریعہ اس کا ٹائٹل بھی بھجوادیا۔ ۲۹/مارچ ۲۰۱۹ء جمعۃ المبارک کے روز حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اس کتاب کا فوٹو لے کر راولپنڈی تشریف لائے اور فقیر کو ممنون احسان فرمایا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب فارغ التحصیل عالم دین ایک سکول میں ٹیچر اور دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور میں کمپیوٹر کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ ان کی طرف سے کتاب کیا ملی، ربع صدی سے قابل تلاش ایک خزانہ یکایک جھولی میں موجود پایا۔ اس سے کتنی خوشی ہوئی اس کا سوائے اہل ذوق کے اور کون اندازہ کرسکتے ہیں۔

قارئین کرام! آج یہ سطور تحریر کرتے وقت مؤلف مولانا رفیق دلاوری مرحوم کی ان کتابوں کو جو مجلس کی لائبریری میں موجود ہیں، دیکھنا ہوا تو مزید ایک کتاب:

۱۱...... سوانح کربلا: کا بھی ذکر ملا۔ مصنف مرحوم کی دس کتب کا تعارف اوپر درج ہے۔ گیارھویں کتاب ''سوانح کربلا'' کی تلاش میں مدد کی درخواست ہے۔

مصنف مرحوم کی مزید کون کون سی تصنیفات ہیں؟ ان گیارہ کتب کے علاوہ کسی کو مزید کتب معلوم ہوں تو ان کی نشان دہی وتلاش میں مدد فرمائیں۔ واجرکم علی اللہ تعالیٰ!

کتاب ''سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا'' اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مصنف نے اتنے اعتدال کے ساتھ مسلک حقہ کو بیان فرمایا کہ جیسے سونے کی تول تول رہے ہوں۔ کتاب رفض وخوارج کے مزعومہ خیالات سے یکساں مبرا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ سیدہ دو جہاں علیہا السلام کے احترام اور مقام کا مظہر ہے۔ فقیر کی درخواست پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کی کمپیوٹر اشاعت کا بیڑا اٹھایا جو رحمت عالم ﷺ اور سیدہ دو جہاںؓ سے محبت کے رشتوں کی مزید پختگی کا باعث ہوگا۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پیدائش سے وفات تک کے حالات کو مصنف ایسے طور پر لے چلے ہیں کہ قاری کتاب کا ہاتھ پکڑ کر گویا یہ سفر کرا دیا ہے۔ فَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

پھر ہر موقعہ وواقعہ سے امت کی بچیوں، بیٹیوں کو جو سبق ملتا ہے ایک خاتون اسلام کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی مبارک سے کیا سبق ملتا ہے۔ موقعہ بموقعہ اس کا استحضار۔ دختران اسلام کو اس کتاب کے پڑھنے کے بعد دیگر کتابوں اور مسائل سے مستغنی کر دیتا ہے۔ یہ کتاب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کی دلآویز جامع ومستند دستاویز ہے۔ قریباً اس کی اشاعت اوّل کے پون صدی بعد اس کتاب کا ملنا اور طبع ہو جانا مصنف مرحوم کی روح کی تسکین، ناشرین کے لئے باعث نجات اور قارئین کے لئے باعث سعادت دارین ہے۔ اس کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی مصنف ہی کا ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کی وہاں پر صراحت بھی کر دی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ والسلام!

فقیر: اللہ وسایا (ملتان)

مؤرخہ ۷/اپریل ۲۰۱۹ء، بمطابق یکم رشعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُفْضِلِ الْمِنْعَامِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنَامِ
مُحَمَّدٍ وَّاٰهْلِ بَيْتِهِ الْعِظَامِ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَ

اَمَّا بَعْد! مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ طبقہ نسوان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی کتاب مرتب کروں۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ کسی ایسی یکتائے روزگار ہستی کے حالات زندگی قلمبند کئے جائیں کہ جس کی ذات گرامی میں ارتقاء انسانیت کے کامل ترین نمونے موجود ہوں۔ پس میری نگاہ انتخاب بنت الرسول سیدۂ جہان حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ذات اقدس پر پڑی جن کی مقدس زندگی علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے جواہر گراں مایہ سے مالا مال ہے اور جن کی حیات طیبہ کا ہر واقعہ مومنات کے لئے پیام حیات اور درس عمل ہے۔ یہ پاک سرشت خاتون، فضائل اخلاق کا مجسم پیکر تھیں اور ان کی عظمت شان، تعلق باللہ اور علمی و عملی کمالات کا اندازہ اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جب کبھی آستان نبوت میں تشریف لائیں، حضرت سید المرسلین ﷺ ازراہ محبت ان کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ امید ہے کہ موجودہ پرآشوب زمانہ میں جب کہ عورتوں تک کے خیالات وعقائد اور طرز معاشرت میں مغربیت کا زہر سرایت کر رہا ہے۔ حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کی سیرت مبارکہ خواتین اسلام کے لئے شمع ہدایت ثابت ہوگی۔

یوں تو اہل بیت نبوت میں بہت سی بزرگ ہستیاں داخل ہیں لیکن ان کا فرد اکمل حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ذات گرامی ہے اور اس تصنیف کا مقصد اسی مخدومۂ جہان کی سیرت طیبہ زیب رقم کرنا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ سیرت زہراؓ کے پڑھنے والوں کو اس وقت تک پوری بصیرت حاصل نہ ہوگی۔ جب تک حضرت خاتون جنت کی والدۂ محترمہ اور جلیل القدر بہنوں اور بھائیوں کے حالات بھی پیش نظر نہ ہوں۔ اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ سیرت بتولؓ سے پہلے مؤخر الذکر حضرات کے مختصر سے سوانح حیات بھی زیب قرطاس کردیئے جائیں۔ اس کتاب کا نام ''سیدہ فاطمہؓ'' تجویز کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو عموماً اور طبقۂ اناث کو خصوصاً اس سے نفع پہنچائے۔ آمین!

(نیاز مند: مؤلف)

باب اوّل ...... اہل بیت نبوت

ابتدائے اسلام میں پیغمبر خدا ﷺ کے پردادا ہاشم اور جدِ امجد عبدالمطلب کی اولاد امور دین میں آپ کی ہر طرح سے حامی و مددگار رہی بلکہ ابولہب کے سوا، آل عبدالمطلب میں سے ان لوگوں نے بھی ہر طرح آپ ﷺ کا ساتھ دیا جو ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے اور جب آنحضرت ﷺ کی دعوت توحید کے بعد آپ کی قوم کے لوگ جو قریش کہلاتے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر کئی سال تک طرح طرح کے ظلم ڈھاتے رہے تو ہاشمیوں نے ہر طرح سے آپ کی جان کی حفاظت کی اور جب آپ ﷺ قریش کے عام مقاطعہ اور عدم تعاون کے باعث شہر مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزیں ہوئے تو ابولہب کے سوا تمام ہاشمی بھی درے میں چلے گئے اور وہاں برابر تین سال تک آپ ﷺ کی رفاقت میں طرح طرح کے مصائب جھیلتے رہے۔ اس لئے اسلام میں آنحضرت ﷺ کے مسلمان رشتہ داروں کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

یہی حضرات اہل بیت کہلاتے ہیں لیکن چونکہ آپ ﷺ کی پاک بیویوں اور آپ ﷺ کی اولاد اطہار نے مذکورہ اعزاء و اقارب سے بھی بڑھ کر جان نثاری کا حق ادا کیا۔ اس لئے وہ بھی نہ صرف اہل بیت میں داخل بلکہ اہل بیت کا اصل اور اوّلین مصداق ہیں۔

اہل بیت کی سہ گانہ تقسیم

پس اہل بیت نبوت تین اصناف میں منقسم ہے۔

۱...... اہل بیت نسب۔

۲...... اہل بیت سکنی۔

۳...... اہل بیت ولادت۔

آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی اولاد نسب کے اعتبار سے آپ کی اہل بیت ہے اور یہ وہ حضرات ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ یعنی آل عباسؓ، آل ابوطالب اور آل حارث بن عبدالمطلب، ازواج مطہراتؓ، اہل بیت سکنی ہیں اور اہل بیت ولادت آپ ﷺ کی اولاد ہے۔

آل ابوطالب سے مراد حضرات جعفر طیارؓ، عقیلؓ اور علی المرتضیٰؓ اور ان تینوں کی اولاد ہے۔ حارث بن عبدالمطلب بھی سرور انبیاء ﷺ کے حقیقی چچا تھے اور ان کی اولاد مشرف بہ اسلام

ہوئی تھی۔اس لئے وہ بھی زمرۂ اہل بیت میں داخل ہے۔چونکہ اہل بیت اطہارؓ نے نصرت دین وتمکین ملت کا پورا حق ادا کیا اور یہ حضرات سرور انبیاءﷺ کی حق پرستی، راست گوئی، ایثار، جودوسخا، انقطاع الی اللہ اور دوسرے خصائل حمیدہ کے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے تھے۔ اس بناء پر خدائے برتر نے انہیں مدارج قرب پر فائز فرمایا اور آنحضرتﷺ بھی ان کے فضائل ومناقب بیان کر کے ہمیشہ ان کی قدر افزائی فرماتے رہے۔

مناقب اہل بیتؓ

حضرت زید بن ارقم صحابیؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر خداﷺ نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرماتے وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پانی کے ایک چشمہ پر جسے خم غدیر کہتے ہیں، کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔آپﷺ نے رب جلیل کی حمد وثنا کے بعد وعظ کیا اور فرمایا: اے لوگو! آگاہ ہو کہ میں بھی بشر ہوں۔قریب ہے کہ میرے رب کا فرستادہ (ملک الموت) میرے پاس آئے اور میں امر خداوندی کو قبول کروں۔میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔جن میں سے پہلی کتاب اللہ (قرآن) ہے۔اس میں ہدایت ونور ہے۔پس کتاب اللہ پر عمل کرو اور اس سے تمسک کرو۔آپ نے ہمیں کتاب اللہ پر عمل کرنے کی اچھی ترغیب دی۔اس کے بعد فرمایا کہ دوسری اہم چیز میرے اہل بیتؓ ہیں۔پھر دو مرتبہ فرمایا کہ میں اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدا یاد دلاتا (یعنی خدا سے ڈراتا) ہوں۔

اہل بیتؓ نسب

حضرت زید بن ارقم صحابیؓ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں، پوچھا گیا کہ ازواج مطہراتؓ یعنی نبیﷺ کی بیویاں بھی اہل بیت نبوت میں داخل ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: "ہاں داخل ہیں۔" لیکن اہل بیت صرف وہ لوگ ہیں جن پر زکوۃ لینا حرام ہے۔پوچھا گیا کہ وہ کون کون ہیں؟ فرمایا: آل علیؓ، آل جعفرؓ، آل عقیلؓ اور آل عباسؓ۔ (رواہ مسلم)

زید بن ارقمؓ کی دوسری روایت میں رسول اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔اگر تم ان کو اختیار کئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔پہلی کتاب اللہ (قرآن پاک) ہے جو ایک رسے کی مانند ہے جو آسمان سے زمین کی طرف پھیلا ہوا ہے۔دوسری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں۔ان میں سے پہلی (کتاب اللہ) دوسری

(اہل بیت) سے زیادہ اہم ہے اور لطیف وخبیر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ان دونوں میں اس وقت تک جدائی نہ ہوگی جب تک قیامت کے دن حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں۔ پس تم اس بات کا خیال رکھو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو۔ (احمد و ترمذی)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی کتاب حبل اللہ (یعنی وصول الی اللہ اور قرب الٰہی کا ذریعہ) ہے جس نے کتاب اللہ کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہوگا اور جو کتاب اللہ سے تمسک نہ کرے گا۔ وہ گمراہ ہوگا۔ (مسلم)

واجب الاطاعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے

معلوم ہو کہ خم غدیر میں قرآن اور اہل بیتؓ کو اختیار کرنے کا جو فرمان نبوی صادر ہوا اس کی وہی حیثیت ونوعیت ہو سکتی تھی۔ جو ہر ایک کے مناسب حال تھی۔ کتاب اللہ کے اختیار کرنے سے یہ مراد تھی کہ مسلمان اس کے احکام پر عمل کریں۔ اسے اپنی زندگی کا معیار بنائیں۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام یقین کریں اور اہل بیت کے اختیار کرنے کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان سے محبت وارتباط رکھیں اور ان کی مخالفت اور دل آزاری سے اجتناب کریں۔

اس حدیث کی بناء پر بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قرآن کی طرح اہل بیتؓ بھی مفترض الطاعت تھے۔ مگر خود الفاظ حدیث اس خیال کی پوری طرح تردید کر رہے ہیں۔ اس خطبہ میں جو حضور ﷺ نے قرآن اور اہل بیتؓ کے حفظ حقوق کے بارے میں دیا۔ ساری اسلامی برادری جس کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے، جمع تھی۔ اس جم غفیر میں ایسے ایسے علماء، فقہاء بھی موجود تھے جو اہل بیتؓ کے اکثر بزرگواروں سے زیادہ عالم اور فقیہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ام المؤمنین عائشہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن سلامؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر علمائے مہاجرین وانصار کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ دینی امور اور احکام شرعیہ میں اہل بیتؓ کی پیروی کریں۔ کیونکہ وہ تو خود حضرت علیؓ کو چھوڑ کر باقی تمام اہل بیتؓ سے زیادہ عالم و مجتہد تھے بلکہ حضور سید موجودات ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء صرف یہ تھا کہ تمام لوگ میرے اقرباء سے محبت کریں اور ان کی عظمت شان اور احترام واکرام ملحوظ رکھیں۔

یاد رہے کہ بنیادی حیثیت سے اسلام میں مفترض الطاعۃ صرف دو چیزیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ چنانچہ امام مالکؒ نے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتٰبُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (رواه فی الموطا) '' ﴿میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک ان دونوں سے تمسک کرتے (ان کو اختیار کئے) رہو گے۔ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت۔﴾

اور ظاہر ہے کہ جس طرح دوسری امت پر ان دونوں اصولوں کی متابعت فرض ہے۔ اسی طرح عترت پر بھی فرض تھی۔ اہل بیت اطہارؓ اسی کی پابندی سے قطعاً مستثنیٰ نہ تھے۔

اولاد کا داخل اہل بیت ہونا

اوپر لکھا گیا ہے کہ: پیغمبر خدا ﷺ کی اولاد اطہارؓ بھی اہل بیت میں داخل ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت نبی اکرم ﷺ گھر سے باہر نکلے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ایک کلیم اوڑھ رکھی تھی۔ جس پر سیاہ بالوں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ اتنے میں حسن بن علیؓ آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں کلیم میں داخل کر لیا۔ پھر حسینؓ آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی کلیم میں لے لیا۔ اس کے بعد جناب فاطمہؓ آئیں آپ ﷺ نے انہیں بھی کلیم میں داخل کر لیا۔ پھر علیؓ تشریف لائے انہیں بھی اس میں داخل کر لیا گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا '' اہل بیت بنو۔ خدائے برتر چاہتا ہے کہ تم سے گناہوں کی پلیدی دور کر دے اور تمہیں کما حقہ پاک کر دے۔ (رواہ مسلم)

چونکہ آیت تطہیر یعنی ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ '' ازواج مطہراتؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی اور اس سے یہی مفہوم ہوتا تھا کہ امہات المؤمنینؓ کے سوا اہل بیت کہلانے کا کوئی مستحق نہیں۔ اس بناء پر رسول اکرم ﷺ نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی ؓ کو کلیم میں لے کر یہ آیت پڑھی تا کہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ پانچوں بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ ان کے برعکس شیعہ لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ ان کا خیال آیت تطہیر کے بالکل خلاف

ہے۔ کیونکہ اس آیت کی اصل مخاطب ازواج طاہرات ہی تھیں۔ گو سرور عالم ﷺ نے اپنی اولاد کو بھی اہل بیت میں داخل فرما لیا تھا۔

اہل بیتؓ کے مفہوم میں افراط وتفریط

شیعہ کہتے ہیں کہ اگر اس آیت کی مخاطب زوجات ہوتیں تو حق تعالیٰ یوں نہ فرماتا: ''لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ''یعنی جمع ذکور کی ضمیریں استعمال نہ کی جاتیں بلکہ یوں کہا جاتا: ''لِيُذْهِبَ عَنْكُنَّ وَيُطَهِّرَكُنَّ ''لیکن وہ اتنا نہ سمجھ سکے کہ یہاں تذکیر کا استعمال لفظ اہل کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ لفظ اہل مذکور ہے۔ اس کے علاوہ عنکم کے استعمال میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے مرد اور عورتیں سب داخل ہو گئی ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور دوسرے مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں بے شمار ایسی روایتیں درج کی ہیں جو ازواج مطہرات کے ساتھ نبی ﷺ اور فاطمہ، علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کے بھی اہل بیت میں داخل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

بعض لوگ اہل بیتؓ سے صرف امہات المومنینؓ مراد لیتے ہیں لیکن یہ بھی نص صریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث کے بموجب جو اوپر درج ہوئی، حضور سرور کائنات ﷺ نے فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بھی داخل اہل بیت فرمایا تھا۔

اہل بیتؓ کی محبت جزو ایمان ہے

اور اس بات کے ثبوت میں کہ رسول خدا ﷺ کے وہ تمام خویش واقارب مرد وزن جو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، اہل بیت ہیں۔ دو اور روایتیں درج کی جاتی ہیں:

ا...... عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر تھا۔ اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کے عم محترم عباس بن عبدالمطلبؓ ایسی حالت میں آستان نبوت میں حاضر ہوئے کہ غصے میں کانپ رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ چچا! آپ کو کس بات نے غضب آلود کیا۔ حضرت عباسؓ نے التماس کی: ''یا رسول اللہ! قریش کی یہ حالت ہے کہ جب آپس میں ملتے ہیں تو ہشاش بشاش چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہاشمیوں سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر مردنی چھا جاتی ہے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ

جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کسی شخص کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک وہ تم لوگوں ہاشمیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے دوست نہ رکھے۔ اس کے بعد فرمایا: لوگو! جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھ کو ایذاء دی۔ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔'' (رواہ الترمذی)

ایک اور روایت سنئے: معلوم ہوگا کہ حضرت خبیر و بشیر ﷺ کا ایک چچا ابولہب بن عبدالمطلب آپ کا سخت دشمن تھا۔ وہ ابوجہل کی طرح آپ ﷺ کو مدت العمر بڑی ایذائیں دیتا رہا۔ حق تعالیٰ نے اس کی برائی میں سورۂ ابولہب نازل فرمائی۔ جس میں فرمایا: ''سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَءَ تُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' ﴿وہ جلد شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی حیزم کش عورت بھی۔﴾

(شاہ ولی اللہؒ نے حیزم کش چغلیاں کھانے والی عورت قرار دیا ہے۔ بعض نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ وہ عورت جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے۔ عربی محاورہ میں ''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' چغل خور کو بھی کہتے ہیں)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ابولہب کی بیٹی سبیعہؓ آستان نبوت میں حاضر ہوئیں اور گزارش کی: یارسول اللہ! لوگ طعنے دیتے ہیں کہ ''حَطَبَ النَّار'' ﴿آگ کے ایندھن یعنی ابولہب﴾ کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو سخت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ مجھے میری قرابت کے بارے میں ایذاء دیتے ہیں۔ جس نے میرے قرابت دار کو ایذاء دی اس نے میری ایذارسانی کی اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ (اصابہ)

ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ اہل بیت کی محبت جزوِ ایمان ہے۔

باب دوم ...... والدۂ محترمہ، برادران و ہمشیرگان

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ

سید موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نسباً قریشی تھے اور آپ ﷺ کی پہلی حرم محترم ام المؤمنین خدیجہؓ بھی قریشیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ کا نسب نامہ یہ تھا: سیدنا محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی۔ (صحیح مسلم)

اور حضرت خدیجہؓ کا سلسلۂ نسب جو قصی مذکور پر جا کر چوتھی پشت میں مل جاتا ہے اس طرح ہے۔ خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ حضرت خدیجہؓ کی والدہ بنت زائدہ بھی قریشیہ اور بنو عامر بن لوی کی اولاد تھیں۔ (اصابہ)

عرب کے عہد جاہلیت کی اخلاقی پستی ضرب المثل ہے۔ تاہم بی بی خدیجہؓ اس تاریک دور میں بھی اپنی عفت اور نیک کرداری کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے ممتاز تھیں۔ (اصابہ)

حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد ایک بڑے تاجر تھے اور ان کا کاروبار یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ بڑھاپے کی کمزوری نے کاروبار کے قابل نہ رہنے دیا تھا۔ اس لئے سب کام اپنی بڑی بیٹی حضرت خدیجہؓ کی نگرانی میں جو بیوہ تھیں، تفویض کر دیا تھا اور خود گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ حضرت زبیرؓ کے والد عوّام، ام المؤمنین خدیجہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ مؤرخوں نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا کہ خویلد نے اپنے بیٹے عوّام کی موجودگی میں اپنی تجارت بیٹی کے کیوں سپرد کی؟ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عوّام ان ایام میں صغیر السن (کم عمر) ہوں گے۔ بہر حال حضرت خدیجہؓ نے اس کام کو اس کوشش اور قابلیت سے چلایا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑی دولت کی مالک بن گئیں۔

حضرت خدیجہؓ بذات خود مال تجارت لے کر نہیں جاتی تھیں بلکہ مضاربت کا طریقہ جاری کر رکھا تھا۔ یعنی تاجروں کو روپیہ دے کر نفع میں شرکت کرتی تھیں۔ معلوم ہوگا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے سر سے خورد سالی میں والدین کا سایہ اٹھ گیا تھا اور آپ کے حقیقی چچا ابوطالب نے آپ کی پرورش کی۔ آپ بلوغ کے بعد بھی ابوطالب ہی کے ساتھ رہتے تھے اور تھوڑا بہت تجارتی مشغلہ رکھتے تھے۔ ان ایام میں اہل حجاز کے لئے تجارت کی اور بھی منڈیاں تھیں، لیکن سرزمین شام کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں قحط پڑا۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا کہ عنقریب مکہ کا تجارتی قافلہ شام جانے والا ہے اور حسب معمول بی بی خدیجہؓ کی طرف سے ایسے تاجر اس قافلہ میں جانے والے ہیں جو ان کے روپے سے تجارت کریں گے۔ اس لئے اگر تم بھی مضاربت کے طریق پر ان سے روپیہ لے کر شام جانے کا قصد کرو تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری صداقت اور پاکیزگی اخلاق کے پیش نظر تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کریں گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: عجب نہیں کہ وہ مجھے خود ہی بلا بھیجیں۔ ابوطالب نے کہا:

احتمال ہے کہ تم جانے میں دیر کردو اور خدیجہ دوسرے تاجروں کو جانے کے لئے متعین کر دیں۔ شدہ شدہ یہ خبر حضرت خدیجہؓ تک پہنچ گئی۔ گو اس وقت آنحضرت ﷺ کا سن مبارک چوبیس پچیس سال سے متجاوز نہ تھا۔ تاہم آپ کے اخلاق ستودہ کا عرب کے ہر گوشہ میں شہرہ تھا اور آپ صادق اور امین کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ جناب خدیجہ طاہرہؓ جو پہلے ہی سے ایسے فرد مقدس کی تلاش میں تھیں، بڑے شوق سے آپ ﷺ کی پذیرائی کے لئے آمادہ ہوئیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اگر آپ ﷺ میرے روپے سے تجارت کرنے کے لئے شام کا سفر گوارا کریں تو میں اپنا غلام میسرہ آپ ﷺ کے ساتھ کردوں گی اور نفع کا جتنا حصہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دو چند آپ ﷺ کو دوں گی۔ (ابن سعد وغیرہ)

غرض آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر قافلہ کے ساتھ عازم شام ہوئے۔ شام کے سرحدی شہر بصریٰ میں جسے آج کل حوران کہتے ہیں، پہنچے تو نسطورا نام ایک عیسائی راہب کی خانقاہ پر منزل ہوئی۔ گو آنحضرت ﷺ ہنوز منصب نبوت پر سرفراز نہ ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی بعثت میں قریباً پندرہ سال کا وقفہ تھا۔ تاہم راہب نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آسمانی کتابوں کی بیان کردہ علامتوں سے اور آپ ﷺ کی مہر نبوت کا مشاہدہ کر کے پہچان لیا کہ آپ ﷺ نبی آخر الزمان اور دنیا کے آخری نجات دہندہ ہیں۔ نسطورا نے کہا: خدا کرے میں آپ ﷺ کی بعثت تک زندہ رہوں۔ آپ ﷺ نے بصریٰ کی منڈی میں اپنا مال فروخت کیا اور شام کا تجارتی مال خرید کر مراجعت کی۔ آپ ﷺ نے اس خرید و فروخت میں خاطر خواہ نفع حاصل کیا اور جب مکہ پہنچ کر حساب کیا گیا تو جتنا نفع دوسرے تاجروں کو ہوا کرتا تھا اس سے دو چند نفع شمار میں آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں اور حسب وعدہ دوسرے تاجروں کی نسبت نفع کا دگنا حصہ آپ ﷺ کے پیش کیا۔ (منثور وغیرہ)

حضرت خدیجہؓ کے شریفانہ اخلاق اور ان کی دولت و ثروت نے تمام روسائے قریش کو ان کے ایام بیوگی میں ان کا گرویدہ و شیفتہ بنا دیا تھا اور ہر شخص ان کی زوجیت کا خواہاں تھا لیکن کارپردازان قضا و قدر کی نگاہ انتخاب ایک ایسی ہستی پر پڑ رہی تھی جو دنیوی ریاست و امارت سے بہرہ مند نہ تھی۔ اکابر و اعیان کی طرف سے وقتاً فوقتاً پیام آتے رہتے تھے، لیکن حضرت خدیجہؓ کسی پیغام کی طرف التفات نہ کرتی تھیں اور انہوں نے نکاح کا معاملہ حیز التواء (مقام التواء) میں ڈال رکھا تھا۔ (اصابہ)

اصل میں اس زمانے کی کاہنہ عورتوں نے حضرت خدیجہؓ کے گوش گزار کر رکھا تھا کہ نبی آخرالزمان جلد پیدا ہونے والے ہیں اور وہ تمہاری ہی قوم قریش میں سے ہوں گے۔ اس لئے وہ اس گوہر مقصود کی جستجو اور انتظار میں تھیں۔ ان کے دل میں ہر وقت یہ آرزو موجزن تھی کہ کسی طرح اس نبی کا پتہ چلے تو اس کی خاک پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔ چنانچہ جب سردار دو جہاں ﷺ سفر شام سے مراجعت فرما ہوئے اور میسرہ نے آپ کی صفائی معاملہ اور نیک کرداری اور نسطورا راہب کی ملاقات اور اس کی تصدیق نبوت اور سفر کے دوسرے عینی مشاہدات بیان کئے تو جناب طاہرہ کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ نبی آخرالزمان ہیں کہ جن کی بعثت کا انتظار ہے۔ اس لئے در پردہ اسی دن سے آپ کی گرویدہ اور جان نثار ہو گئی تھیں۔

غرض آپ ﷺ کے تقدس اور تعلق باللہ کا جو سکہ حضرت خدیجہؓ کے دل پر بیٹھا تھا وہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ کو شام سے واپس آئے تین مہینے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ نے نفیسہ بنت امیہ کو آپ ﷺ کے پاس پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس پیغام کے متعلق اپنے چچوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بخوشی تائید کی اور بنو ہاشم کے تمام اکابر آپ ﷺ کو ساتھ لے کر خدیجہؓ کے مکان پر جمع ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد انتقال کر چکے تھے۔ (طبری و ابن سعد)

اس لئے ان کے چچا عمرو بن سعد نے نکاح کر دیا۔ پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا۔ اس وقت آپ ﷺ کا سن پچیس سال کا تھا اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ (اصابہ)

جس گھر میں آج تک آنحضرت ﷺ کا قیام تھا وہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی مشترک ملکیت تھا۔ نکاح کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر ان کے مکان کو شرف قدوم بخشا۔ چنانچہ آئندہ چل کر (اسی) بیت اقدس میں وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔

اولاد اطہار

حضرت رسالت مآب ﷺ کے صلب مبارک سے جناب خدیجہؓ طاہرہ کی چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہراء اور دو فرزند گرامی قاسم اور عبداللہ (سلام اللہ علیہم) متولد ہوئے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

یاد رہے کہ طیب اور طاہر جو مشہور ہیں وہ کوئی علیحدہ ہستیاں نہیں بلکہ علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق کے مطابق عبداللہ ہی کے لقب تھے۔

قاسم وعبداللہ

نبوت سے پیشتر سب سے پہلی اولاد جو سرور کائنات ﷺ کے حریم قدس میں پیدا ہوئی وہ قاسم تھے۔ آنحضرت ﷺ انہی کی نسبت سے ابوالقاسم کی کنیت سے مشہور تھے قاسم نبوت سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ بعض نے ان کی عمر سترہ مہینے بتائی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ اولاد اطہار میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔ عبداللہ بن سید الانبیاء ﷺ نزول وحی کے بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور طفولیت ہی میں اس دار فانی سے منہ موڑ گئے۔

سیدہ زینبؓ

حضرت زینبؓ بالاتفاق حضرت خاتم رسالت ﷺ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ سیدہ زینبؓ نزول وحی کے بعد فوراً مشرف بایمان ہوئیں اور پھر حضرت سید موجودات ﷺ کے ہجرت فرمائے مدینہ ہونے کے کچھ زمانہ بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور ۸ ھ میں انتقال فرما کر روضۂ رضوان کو چلی گئیں۔ سیدہ زینب اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھانجے ابوالعاصؓ سے بیاہی گئی تھیں۔ ابوالعاصؓ پہلے تو کئی سال تک کفر پر مصر رہے لیکن انجام کار مشرف بایمان ہو کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت ابوالعاصؓ کے ہاں دو اولادیں ہوئیں۔ علی اور امامہ، علی تو نابالغی کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ البتہ امامہ زندہ رہیں۔ چونکہ امامہؓ آنحضرت ﷺ کی مرحومہ بیٹی کی یادگار تھیں۔ آپ امامہؓ کو اپنے پاس رکھتے اور جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ حدیثوں میں اسی دختر فرخندہ کے متعلق مروی ہے کہ نماز کی حالت میں بھی آپ ﷺ اس کو گود میں لئے رہتے۔ رکوع کرتے وقت بٹھا دیتے اور قیام کے وقت پھر اٹھا لیتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

جب حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے دنیا سے رخت سفر باندھا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کی وصیت کے مطابق جناب امامہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان سے ایک بیٹا محمد اوسط پیدا ہوا لیکن زندہ نہ رہا۔ حضرت علیؓ کے بعد محترمہ امامہؓ، حضرت مغیرہ بن نوفلؓ صحابی کے

نکاح میں آئیں۔ان سے یحیٰی نام ایک لڑکا متولد ہوا لیکن وہ بھی زندہ نہ رہا۔(استیعاب وغیرہ)

سیدہ رقیہؓ

حضرت رقیہؓ بنت امام المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت زینبؓ سے تین سال چھوٹی تھیں۔نہایت حسینہ وجمیلہ اور موزوں اندام خاتون تھیں۔ (اصابہ و در منثور)

انہوں نے آغاز نبوت میں اپنی والدہ محترمہ اور بہنوں کے ساتھ اپنے والد اقدس ﷺ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی تھی۔ (ابن سعد)

حضور سید کائنات ﷺ کی منجھلی صاحبزادیاں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی گئی تھیں لیکن ہنوز رخصتی کی نوبت نہ آئی تھی کہ ابولہب آپ ﷺ کا دشمن ہوگیا اور اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔انہوں نے طلاق دے دی۔اس وقت حضرت عثمانؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے۔آپ ﷺ نے سیدہ رقیہ کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔

کچھ مدت کے بعد سیدہ رقیہؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی،حبشہ میں چند سال قیام کرنے کے بعد حضرت عثمان اور سیدہ رقیہؓ نے ایک غلط اطلاع کی بناء پر مکہ معظمہ کو مراجعت کی،لیکن اس کے بعد تھوڑے دن مکہ مکرمہ میں رہ کر دونوں ہجرت فرمائے مدینہ منورہ ہو گئے۔ (ابن سعد)

ہجرت کے دوسرے سال جب صحابہ کرامؓ،مکہ کے قریشی اعدائے دین کے مقابلے میں مدینہ منورہ سے بدر کے میدان جنگ میں جانے والے تھے۔اس وقت حضرت رقیہؓ حصبہ یعنی خسرہ کی بیماری میں مبتلا ہوئیں۔آنحضرت ﷺ بدر جاتے وقت حضرت عثمانؓ اور اپنے متبنیٰ کے فرزند حضرت اسامہ کو ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ چھوڑ گئے۔جس وقت بدر کے میدان حرب میں اسلام اور کفر باہم متصادم تھے۔حضرت رقیہؓ نے اپنی جان شیریں جہاں آفرین کے سپرد کر دی۔جب سیدہ رقیہؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جارہی تھی تو حضرت عثمانؓ نے تکبیر کی آواز سنی اور حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ ذرا معلوم کرو کہ یہ صدائے تکبیر کیسی ہے؟ وہ اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔اتنے میں ان کے والد محترم حضرت زید بن حارثہؓ پیغمبر ﷺ کی اونٹنی جدعا پر سوار ہو کر اس بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان میں آ پہنچے کہ لشکر اسلام نے قریش کو ہزیمت دی۔ (اصابہ)

جب پیغمبر خدا ﷺ بدر سے مراجعت فرمانے کے بعد سیدہ رقیہؓ کی قبر پر تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا بہن کی قبر کے کنارے آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضور سرور دو جہاں ﷺ اپنی ردائے مبارک کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ (استیعاب واصابہ)

قیام حبشہ کے دوران میں سیدہ رقیہؓ کے بطن مبارک سے ایک فرزند متولد ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ انہی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ سے مشہور ہوئی۔ (ابن سعد)

یہ صاحبزادے بھی چھ ہی سال کے ہوئے تھے کہ ایک مرغ نے آنکھ میں چونچ ماردی، جس سے تمام چہرہ ورم کر گیا۔ آخر اسی صدمہ سے ۴ھ میں طعمۂ اجل ہو گئے۔ (اسد الغابہ واصابہ)

حضور سید المرسلین ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمانؓ نے انہیں قبر میں اتارا۔ (ابن سعد)

سیدہ ام کلثومؓ

حضرت ام کلثومؓ بنت سید البشر رسول خدا ﷺ سیدہ رقیہؓ سے چھوٹی تھیں۔ نبی ﷺ نے اہل بیت اطہارؓ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ کر ہجرت فرمائی تھی۔ آخر جب مدینہ منورہ میں مسجد کے ساتھ حجرے تعمیر ہو گئے اور آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کو مدینہ بلا بھیجا تو حضرت ام کلثومؓ ام المؤمنین سودہؓ کے ہمراہ روانہ ہو گئیں۔ چنانچہ فاطمۃ الزہراءؓ بھی انہی کے ساتھ تھیں۔

جب ۲ھ میں سیدہ رقیہؓ روضۂ رضوان کو چلی گئیں اور حضرت عثمانؓ مغموم ومحزون رہنے لگے تو جبریل امین نے رب جلیل کی طرف سے یہ حکم پہنچایا کہ ام کلثومؓ کو عثمانؓ کے عقد میں دے دیں۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ آستانہ نبوت میں حاضر ہوئے تو سرور انبیاء ﷺ نے فرمایا: عثمانؓ! کیا وجہ ہے کہ تم کو ورطۂ غم میں مستغرق پاتا ہوں؟ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! آپ کی صاحبزادی کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ حضور ﷺ سے جو رشتۂ قرابت وابستہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔ اب کوئی راہ فلاح دکھائی نہیں دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تسلی رکھو مجھے جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو اسی مہر پر جو رقیہؓ کا تھا تمہارے عقد میں دوں۔ (اسد الغابہ)

چنانچہ آپ نے ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کو جناب عثمانؓ کے عقد تزویج میں دے دیا۔ (ابن سعد)

اس طرح یکے بعد دیگرے نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں آئیں اور دنیا میں صرف حضرت عثمانؓ کی یہ خصوصیت تھی ورنہ ان سے پہلے کبھی کسی بشر کو یہ شرف نصیب نہ ہوا تھا کہ کسی نبی کی دو صاحبزادیاں اس کی زوجیت میں آئی ہوں۔ اسی بناء پر حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین (دو نور والے) کہتے ہیں اور پھر جب ام کلثومؓ بھی رحلت فرما گئیں تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ ہی کے رشتۂ تزویج میں منسلک کرتا جاتا۔ (ابن سعد)

اس سے پیشتر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ جناب علی المرتضیٰؓ سے بیاہی جا چکی تھیں۔ ورنہ جیسا کہ ارشاد نبوی سے ثابت ہوتا ہے حضرت عثمانؓ کو ان کی زوجیت کا شرف بھی ضرور حاصل ہوتا۔

یہاں ضمناً یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے اور حضرت عثمانؓ کی نانی حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم اور پیغمبر ﷺ کے والد محترم جناب عبداللہ توأم پیدا ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ام کلثومؓ پانچ سال تک بیاہی رہیں لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آخر شعبان ۹ھ میں راہگرائے عالم آخرت ہوئیں۔ حضرت جعفر طیارؓ کی بیوی محترمہ اسماءؓ بنت عمیس اور صفیہؓ بنت عبدالملک اور چند انصاری خواتین نے غسل دیا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرات علی المرتضیٰ، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) نے قبر میں اتارا۔ (اصابہ)

حضور سرور کائنات ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کو سیدہ ام کلثومؓ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ ہم ان کے جنازہ پر حاضر ہوئے اور دیکھا کہ آپ قبر کے پاس بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہیں۔ (بخاری و ابن سعد)

سید ابراہیمؓ

سید ابراہیمؓ سرور دو جہاں ﷺ کی آخری اولاد ہیں۔ ان کی ولادت مدینہ مطہرہ میں ۸ھ میں ہوئی۔ ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ ان کی والدہ محترمہ حضرت ماریہؓ ایک قبطی خاتون تھیں۔ ان کے سوا حضور فخر بنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس قدر اولاد گرامی تھی وہ حضرت خدیجہؓ طاہرہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئی۔

پیغمبر خدا ﷺ کے آزاد غلام ابورافعؓ کی بیوی سلمیٰؓ جناب ابراہیمؓ کی قابلہ تھیں۔

سلمٰی ہی نے آ کر ابو رافعؓ کو ان کے تولد کی اطلاع دی اور انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ صاحبزادہ متولد ہوا ہے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دن کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج رات میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے نام نامی پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔ (بخاری)

آپ نے دو مینڈھے یا ایک بکرا ذبح کرا کے ابراہیم کا عقیقہ کیا۔ سر منڈوا کر نام رکھا۔ سر کے بالوں کو چاندی سے تلوایا۔ پھر یہ چاندی مساکین کو دے دی اور سر کے بال زمین میں دفن کرا دیئے۔ اس کے بعد ابو سیف لوہار کی بیوی کو جسے ام سیف کہتے تھے۔ بلوایا اور فرزند گرامی کو دودھ پلانے کے لئے ان کے سپرد کر دیا۔ (مدارج)

چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام حضرات کے ترجمان اور منشائے الٰہی کے شارح تھے۔ اس لئے ان کا ہر کام عین فطرت اور دوسروں کے لئے سبق آموز تھا۔ اولاد سے محبت وشفقت رکھنا، فطرت انسانی اور رضائے خداوندی کا موجب ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر اولاد کے حق میں شفیق ورحیم اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک سے بیان ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اپنے عیال کے حق میں مہربان نہیں پایا۔ آپ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً ابو سیف کے گھر تشریف لے جاتے۔ ہم بھی ساتھ ہوتے۔ آپ دایہ کے گھر پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام کو اٹھاتے اور چومتے۔ صاحب خانہ اپنے لوہارے کام میں مصروف ہوتا۔ اس وقت چنگاریاں گھر کے چاروں طرف اڑتی تھیں اور مکان دھوئیں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ عموماً جب کبھی آنحضرت ﷺ کو ابو سیف کے گھر جانا ہوتا، تو میں پہلے ہی جا کر اطلاع کر دیتا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے کام بند کر دیتا۔ آپ نے عوالی مدینہ میں ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہؓ کے لئے ایک گھر بنوا دیا تھا۔ جسے آج کل بھی موضع مشربۂ ابراہیم کہتے ہیں۔ (مدارج)

افسوس ابراہیمؓ کو دنیوی قیام وبقاء کی بہت کم مہلت ملی اور مدت رضاعت ہی میں چمن سیادت کا یہ نو دمیدہ غنچہ مرجھا کر باغ عالم سے ناپید ہو گیا۔ جب سرور عالم ﷺ کو خبر ملی کہ ابراہیمؓ حالت سکرات میں ہیں تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بارگاہ نبوی میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ ابراہیم کے پاس چلے تو حضرت عبدالرحمٰن بھی ساتھ ہو لئے۔

آپ نے ابوسیف کے گھر پہنچ کر دیکھا کہ ابراہیمؓ جان توڑ رہے ہیں۔ آپ نے انہیں اٹھا کر گود میں لے لیا اور اشک بار ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! (اس معرفت اور تعلق باللہ کے باوجود) آپ ﷺ بھی روتے ہیں؟ آپ ﷺ نے تو میت پر رونے سے منع کیا تھا۔ فرمایا: ''اے ابن عوف! اشک باری صبر کے منافی نہیں بلکہ رحمت اور رقت (نرم دلی) کی علامت ہے اور میں نے تو دو قسم کی آواز سے منع کیا تھا۔ ایک وہ جو لہو ولعب کے نغمہ اور مزامیر شیطان کے وقت ہو۔ دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت منہ سے نکلے، اور میں نالہ وشیون اور منہ پر طمانچے مارنے اور کپڑے پھاڑنے سے منع کرتا ہوں۔ لیکن آبدیدہ ہونا سو یہ رحمت ہے اور جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

یہ کہہ کر آپ ﷺ دوبارہ اشک بار ہوئے اور فرمایا کہ ''آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمزدہ ہے تاہم اس کے سوا ہم کوئی لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ جس سے ہمارا پروردگار خوشنود ہو اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں مغموم ہیں۔'' (بخاری، مسلم وغیرہما)

حضرت ماریہؓ کے بھانجے عبدالرحمٰن بن حبان بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جب ابراہیم دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو میری خالہ اور میں ابراہیم کے سرہانے موجود تھے۔ جب کبھی خالہ یا میں آواز نکالتے تو آپ ﷺ منع فرما دیتے اور جب ابراہیمؓ کی روح قبض ہوگئی تو آپ ﷺ نے مکرر فریاد وزاری کی ممانعت فرمائی اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ روئے تو آپ کے متبنیٰ زادہ حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) بھی زاری کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آنسو رحمت، اور چیخنا چلانا شیطانی فعل ہے۔ (مدارج)

ابراہیم کو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا۔ نبی ﷺ نے بہ نفس نفیس پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر رکھا کہ نشان رہے۔ ابراہیم کی عمر ڈیڑھ سال یا اس سے کچھ کم ہوئی۔ (مدارج)

باب سوم ...... سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

جناب فاطمہ الزہراءؓ حضور فخر عالم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ یہی وہ محترم خاتون ہیں جنہیں نہ صرف دنیا کی تمام عورتوں کی سیادت کا فخر حاصل ہے بلکہ عاقبت میں بھی خواتین جنت کی سردار ہوں گی۔

ولادت

حضرت فاطمہؓ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ابوبکر رازی اور ابوعمر کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ مولد نبوی کے اکتالیسویں سال پیدا ہوئیں۔اس قول کے مطابق ان کی ولادت شریف بعثت کے ایک سال بعد ہوئی لیکن یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔کیونکہ ابن اسحاق کو وثوق ہے کہ ابراہیم کے سوا حضور سید المرسلین علیہ السلام کی تمام اولاد، نبوت سے پہلے ہی متولد ہو چکی تھی۔پس شیخ ابن حجرؒ کے نزدیک صحیح بیان واقدی کا ہے جس نے بطریق امام محمد باقرؒ حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے کہ فاطمہؓ اس وقت پیدا ہوئیں۔جب قریش کعبۂ معلیٰ کی از سرنو تعمیر و تشئید میں مصروف تھے۔اس وقت آنحضرت ﷺ کا سن مبارک پینتیس سال کا تھا۔اسی پر مدائنی نے جزم کیا ہے۔ (اصابہ)

ابن جوزیؒ نے بھی واقدی کے بیان کی توثیق کی ہے۔جناب فاطمہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عمر میں قریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ (اصابہ)

اور یہ مشہور اور قابل اعتماد روایت ہے۔

نام، القاب اور حلیہ مبارک

<u>وجہ تسمیہ:</u> فاطمہ، حضرت سیدۃ النساء کا اسم گرامی اور زہراء بتول، زاکیہ، راضیہ القاب تھے۔چونکہ فطم لغت عرب میں باز رکھنے کو کہتے ہیں۔اس بناء پر بعض حضرات نے اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ہواخواہوں کو آتش جہنم سے آزاد اور محفوظ کر دیا تھا۔لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ یہ توجیہہ بعید از فہم ہے۔کیونکہ جناب فاطمہؓ نبوت اور نزول وحی سے پیشتر ہی اس نام سے موسوم و مشہور تھیں۔حقیقت میں زہراء (بالفتح) زہرہ (بالضم) سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی سفیدی اور حسن کے ہیں۔حضرت سیدۃ النساءؓ بہت سفید فام اور زہرت و بہجت اور جمال و کمال سے موصوف تھیں۔اس لئے زہراء کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (مدارج)

اور بتول بتل سے مشتق ہے، جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔حضرت فاطمہؓ کی طبیعت میں بچپن ہی سے غیر معمولی متانت اور سنجیدگی ودیعت تھی، اور لڑکیوں کی عام عادت کے، کھیل کود سے متنفر تھیں۔یہاں تک کہ ہجولیوں کی ملاقات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا۔اس

استغنا اور قطع علائق کی وجہ سے بتول (تارک الدنیا) کے لقب سے یاد کی جانے لگیں۔ بتول اس دوشیزہ کو کہتے ہیں جو دنیا اور ماسوی اللہ سے منقطع ہو۔ مسیح علیہ السلام کی والدہ محترمہ جناب مریم سلام اللہ علیہا نے شادی نہیں کی تھی اور ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اس لئے وہ بھی اس لقب سے مشہور تھیں۔

زکیہ اور زاکیہ پاک سرشت کو کہتے ہیں، اور راضیہ وہ ہے، جس سے اس کا مالک خوشنود ہو۔ چونکہ حضرت سیدۃ النساء آنحضرت ﷺ سے صورت اور سیرت میں بہت مشابہ تھیں، اور زاکی اور راضی حضور انور ﷺ کے لقب تھے۔ اس لحاظ سے حضرت فاطمہؓ بھی زاکیہ اور راضیہ کے القاب سے مشہور ہوئیں۔

تاریخ دمشق میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت سیدۃ النساء کی کنیت ام الہاد (ہادی کی ماں) تھی۔ یہی کنیت کثیر التعداد علماء نے بیان کی ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات، نووی)

لیکن اس کنیت کی وجہ اور مناسبت راقم الحروف کے علم میں نہیں آسکی۔

حلیہ: جناب فاطمۃ الزہراءؓ کا حلیہ مبارک حضور سرور کونین ﷺ کی شکل وصورت سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ہے کہ فاطمہؓ کی گفتگو کا انداز ہو بہو آنحضرت ﷺ کے لب ولہجہ سے مشابہت رکھتا تھا۔ نشست و برخاست میں بھی یکسانی تھی۔ (ترمذی)

اور رفتار اور چال ڈھال بھی بالکل آپ کی رفتار کے مشابہ تھی۔ (مسلم)

فصل: ۳ ...... اسلام

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون حضرت خدیجہؓ تھیں۔ تمام ارباب سیر نے اس اوّلیت کی تو تصریح کی ہے لیکن راقم الحروف کو ان کے بیانات میں حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے مشرف باسلام ہونے کی کوئی صراحت نہیں ملی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ چاروں صاحبزادیاں اپنی مادر مشفقہ کے ساتھ ہی شرف بیعت سے مشرف ہوئی تھیں۔ اس لئے مؤرخوں نے والدہ مکرمہ کے قبول اسلام کے ساتھ بیٹیوں کے سعادت ایمان سے بہرہ اندوز ہونے کا جداگانہ اور مستقل تذکرہ کچھ ضروری نہ خیال کیا۔ بہرحال حضرت فاطمہؓ بھی اپنی بلند اختر ماں اور تینوں بڑی بہنوں کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر کلہم پانچ سال کے لگ بھگ تھی۔

فصل:۴ ...... طفولیت

حدیث اور سیرت کی کتابوں کے صفحات حضرت فاطمہؓ کے بچپن کے حالات سے خالی ہیں۔ البتہ ان کا ایک اہم کارنامہ درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی ذات گرامی میں بچپن سے ذکاوت، جودت فہم اور جرأت و بسالت کا جوہر ودیعت تھا۔ معلوم ہوگا کہ مکہ کی بااقتدار جماعت جسے قریش کہتے تھے، بت پرست تھی۔ یہی لوگ کعبہ معلّٰی کے متولی تھے۔ انہوں نے سال کے دنوں کی تعداد کے برابر بیت اللہ میں اپنے معبود بتوں کی نمائش کر رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ بھی خاندان قریش ہی کے چشم و چراغ تھے اور قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آپ ﷺ کی قرابت داری نہ ہو، تاہم جب آپ ﷺ نے توحید الٰہی کی دعوت شروع کی تو قریش اس بناء پر آپ کے دشمن ہو گئے کہ اس قسم کی تبلیغ ان کے کیش بت پرستی کو کھلا چیلنج تھا۔ سرداران قریش مدت تک اس کوشش میں منہمک رہے کہ کسی طرح آپ ﷺ توحید کے پرچار سے دست بردار ہو جائیں لیکن جس صورت میں کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ بت پرستی کا قلع قمع کر کے دنیا میں ایک خدا کی پرستش رائج کی جائے۔ ان کی کوئی کوشش اور ترغیب و ترہیب کارگر نہ ہوئی اور آپ ﷺ اپنے فرض تبلیغ میں سرگرم عمل رہے۔ آخر انہوں نے اس دعوت کو جبراً و قہراً بند کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ داعی توحید علیہ السلام کو اور آپ ﷺ کے جان نثاروں کو مدت مدید تک ہر قسم کے جسمانی اور روحانی چرکے لگاتے رہے اور ان پر ساری سختیاں اور چیرہ دستیاں ختم کر دیں۔ اس سلسلہ تعذیب کا ایک المناک واقعہ سنئے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کعبہ معلّٰی کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ اس وقت قریش کے تمام بڑے بڑے رئیس بھی کعبہ کے اردگرد اپنی مجالس لہو و طرب جمائے بیٹھے تھے۔ یہ بھلا کیونکر ممکن تھا کہ آپ ﷺ عمرو بن ہشام (معروف بہ ابوجہل) جیسے دشمن دین کی آنکھوں کے سامنے نماز پڑھیں اور وہ خاموش رہے۔ جب اس کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو دانت پیستا ہوا بولا کہ ذرا اس ریاکار کی طرف تو دیکھو۔ (یہ اشارہ معاذ اللہ حضرت فخر کائنات ﷺ کی طرف تھا) اور بولا آج فلاں قبیلہ نے اونٹ ذبح کیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ کوئی شخص وہاں جائے اور خون آلود اور نجاست سے بھری اوجھ اٹھا لائے اور جب یہ شخص (سرور انبیاء ﷺ) سجدہ میں جائے تو اس کی گردن پر رکھ دے۔

ایک اور عدو اسلام عقبہ بن ابی معیط نام جو رسول خدا ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کا

شوہر تھا۔ بولا کہ میرے سوا کون ہے جو اس اہم خدمت کو انجام دے۔ چنانچہ دوڑا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نجس اوجھ اٹھا لایا اور جب دیکھا کہ آپ سجدہ میں گئے ہیں تو چپکے سے جا کر اس کو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر سرداران قریش خوشی کے مارے کھلکھلا کر ہنسے اور ان کی یہ حالت تھی کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور ہنستے ہنستے ان کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوائے کوئی مسلمان وہاں موجود نہ تھا۔ عبداللہؓ پہلے اسی عقبہ کے غلام رہ چکے تھے اور ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آزاد ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ انہیں خود تو اس شقاوت کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ آستان نبوت کی طرف دوڑے اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو اس واقعہ کی جا خبر کی۔ سیدہؓ نے بڑی تیزی سے کعبہ معلیٰ کا رخ کیا۔ باوجود کہ اونٹ کی اوجھ بہت وزنی ہوتی ہے تاہم آپ ﷺ اب تک اس بوجھل اوجھ کو دوش مبارک پر اٹھائے سربسجود تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آ کر اوجھ نیچے گرائی۔ جناب سیدہؓ گو ابھی نابالغہ تھیں اور عمر پختگی عقل کی حد تک نہ پہنچی تھی تاہم انہوں نے بڑی جرأت اور خردمندی کا ثبوت دیا۔ حضرت سیدہؓ نے اوجھ نیچے گرانے کے بعد قریش کے سرداروں کو خوب سنائیں۔ ایک ایک کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دشمنان دین خانہ براندازی و ملت کی کوششوں میں کہاں تک سرگرم تھے۔ اس قسم کی شقاوتیں اس نبی معصوم کے خلاف روا رکھی گئیں جو انہیں خود ان ہی دنیوی عروج و اقبال اور اخروی فلاح و بہبود کے لئے راہ ہدایت کی طرف بلاتا تھا۔ دوش مبارک پر اوجھ رکھ کر ہنسنے اور خوش ہونے والے یہ سات اشخاص تھے۔

۱...... عمر بن ہشام معروف با بوجہل۔ ۲...... عقبہ بن ابی معیط۔
۳...... عتبہ بن ربیعہ۔ ۴...... شیبہ بن ربیعہ۔
۵...... ولید بن عتبہ۔ ۶...... عمارہ بن ولید۔
۷...... امیہ بن خلف۔

آنحضرت ﷺ کئی سال سے ان کی ایذاء رسانیوں پر صبر کے گھونٹ پی رہے تھے۔ مگر اب جب کہ انہوں نے آپ ﷺ پر اوجھ رکھ کر اور اس شقاوت پسندی پر خوش ہو کر

اپنے مفترض الطاعۃ رسول ﷺ کی توہین اور ایذاء رسانی غایت قصوئی کو پہنچا دی اور آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ سعادت ایمانی سے ہرگز بہرہ یاب نہ ہوں گے تو آپ ﷺ نے ان ساتوں کے حق میں یہ دعا کی۔ الٰہی عمرو بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف کو پکڑ اور اپنی گرفت میں لے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس واقعۂ ہائلہ کے عینی شاہد اور راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ واللہ! میں نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ یہ ساتوں اشقیا ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے اور ان کے لاشیں بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ (بخاری و مسلم)

مگر معلوم ہو کہ ان سات میں سے آخری شخص، یعنی امیہ بن خلف بدر کے میدان جنگ میں ہلاک نہیں ہوا تھا، بلکہ لڑائی میں مجروح ہو کر مکہ معظمہ میں بھاگ آیا تھا۔ لیکن قضا سر پر سوار تھی۔ زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور پہنچتے ہی تیر اجل کا نشانہ بن گیا۔

فصل: ۵ ...... ہجرت

حضرت خیر البشر ﷺ کو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب کسی قدر اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ اور حضرت ابو رافعؓ کو جو پہلے آپ ﷺ کے غلام تھے، لیکن بعد کو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ اہل بیت اطہارؓ کے لانے کے لئے مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ یہ دونوں حضرات آپ کی حرم محترم ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو جنہیں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد شرف زوجیت بخشا تھا اور دونوں چھوٹی صاحبزادیوں، ام کلثومؓ اور فاطمۃ الزہراءؓ کو لے کر مدینۃ الرسول روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنا آدمی زید بن حارثہ اور ابو رافع (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ اپنے اہل و عیال کے لئے بھیج دیا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابوبکرؓ اپنی والدہ حضرت ام رومانؓ اور دونوں بہنوں اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے کر انہی کے ساتھ عازم مدینہ ہوئے۔ گو حضرت عائشہ صدیقہؓ ہجرت سے پہلے ہی حضور سرور عالم علیہ السلام کے حبالۂ نکاح میں آ چکی تھیں، لیکن ہنوز نابالغہ تھیں۔ اس لئے ابھی والدین ہی کے پاس رہتی تھیں۔ جب یہ مختصر سا قافلہ مدینہ مطہرہ پہنچا تو اس وقت سرور انبیاء ﷺ مسجد اور اس کے ملحقہ حجرے تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت فاطمہؓ اپنی بہن اور سوتیلی ماں کے ساتھ مسجد نبوی ہی کے ایک حجرے میں فروکش ہوئیں، اور حضرت عائشہؓ اپنی والدہ اور بھائی بہن کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں اتریں۔ (ابوداؤد وغیرہ)

فصل:۶ ...... مدینہ منورہ کا مسکن مبارک

حضرت فاطمہؓ نے دارالہجرت پہنچ کر جس حجرہ میں قیام فرمایا موقع کی رعایت سے کچھ اس کی نسبت بھی لکھ دینا مناسب ہے۔ مسجد کے حجروں میں سے کوئی حجرہ تین، ساڑھے تین گز سے زیادہ وسیع نہ تھا۔ ان حجروں میں نہ کوئی صحن تھا، نہ دالان، اور نہ کوئی ملحقہ کمرہ، دیواروں کی جگہ چوب خرما کی ٹٹیاں بندھی تھیں اور ان پر کہگل کی ہوئی تھی۔ (کہگل گارے سے لیپنے کو کہتے ہیں) یہ نام نہاد دیواریں اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے دھوپ اندر آتی تھی۔ ان کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتیوں سے مسقف تھی اور اس قدر پست تھی کہ آدمی کا ہاتھ اس سے چھوتا تھا۔ بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل حجروں کے گرد لپیٹ دیئے جاتے تھے۔ ان حجروں کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ تھا۔ (ادب المفرد وغیرہ)

آنحضرت ﷺ کے وصال سے کچھ پہلے مختلف قومی، مذہبی اور تبلیغی ضروریات کے ماتحت، ازواج مطہرات کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی۔ وہ سب الگ الگ انہی حجروں میں مقیم تھیں۔ ازواج مطہرات میں سے آپ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو ان کے غیر معمولی علم وفضل، فہم وفراست، نکتہ رسی اور تقویٰ وطہارت کی وجہ سے زیادہ چاہتے تھے۔ مگر وہ بھی والدین کے گھر سے رخصت ہو کر رسول اللہ ﷺ کے جس مسکن مبارک میں آئیں، اور تا دم واپسیں مقیم رہیں وہ مسجد ہی کا ایک حجرہ تھا۔ آپ ﷺ رات کے وقت باری باری ان حجروں میں بسر فرماتے۔ دن کا اکثر حصہ مسجد میں تشریف رکھتے اور مسجد ہی ان حجروں کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ (بخاری)

باوجودیکہ وصال نبوی ﷺ سے پیشتر عرب کے دور دراز صوبے اسلام کے زیر نگیں ہو چکے تھے اور کثرت فتوحات کی بدولت سالانہ محاصل اور اموال غنیمت کی بھرمار تھی، اور ازواج مطہرات میں بعض بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں تھیں، جنہوں نے آستان نبوت میں داخل ہونے سے پہلے بڑے ناز ونعمت کی زندگیاں بسر کی تھیں۔ تاہم وہ کاشانہ نبوت میں اخیر دم تک غربا ومساکین کی طرح ہمیشہ قناعت وکفاف کی زندگی بسر کرتی رہیں اور اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ نے ان کے لئے ان حجروں سے بہتر مسکن کی سکونت کبھی گوارا نہ فرمائی۔ یہ حجرے حضور خواجۂ عالم ﷺ کی رحلت کے بعد امہات المومنین کے قبضہ

وتصرف میں رہے۔ ان میں سے جب کوئی دار آخرت کو رحلت فرما ہوتیں، تو ان کا حجرہ ان کے اعزہ واقارب کی ملکیت میں چلا جاتا۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں بعض حجرے مسجد نبوی میں داخل کر لئے گئے۔ (ابن سعد)

امہات المؤمنین میں سے حضرت سودہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نے خلافت فاروقی میں انتقال فرمایا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی دونوں کے حجرے مسجد میں داخل کئے گئے ہوں گے۔ حضرت ام سلمہؓ، یزید کے عہد حکومت تک قید حیات میں تھیں۔ باقی چھ امہات المؤمنین نے حضرت معاویہؓ کی خلافت میں دنیا کو الوداع کہا تھا۔ جب خلیفہ ولید بن عبدالملک تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے مسجد نبوی میں مزید توسیع کی تجویز کی اور یہ دیکھ کر کہ اہل بیت نبوت جن کے لئے حجرے تعمیر ہوئے تھے، دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ۸۷ھ میں باقی ماندہ حجروں کو بھی مسجد میں شامل کر لینے کا فرمان جاری کیا۔ اس سے پہلے کسی اموی خلیفہ نے توسیع عثمانی میں کوئی تغییر وتبدیل نہیں کی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان دنوں خلیفہ ولید کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ ولید نے انہیں لکھا کہ مسجد نبوی کے اردگرد جس قدر مکانات ہوں ان کو خرید کر مسجد کو فراخ کریں، اور امہات المؤمنین کے حجرے خرید کر بھی مسجد میں داخل کر دیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امتثالاً للامر تمام حجروں کو بجز حجرۂ عائشہ صدیقہؓ کے کہ وہ مرقد نبوی ہے خرید کر مسجد نبوی میں ملا دیا۔ (ابن سعد)

کہتے ہیں کہ جس دن ولید کا حکم مدینہ مطہرہ آیا اور پیغمبر خدا ﷺ کے حجرات مبارکہ منہدم کئے گئے، شہر میں کہرام مچا ہوا تھا اور کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اس یادگار نبوی کے مٹنے پر اشک بار نہ ہو۔ حضرت سعید بن مسیبؒ جو ایک جلیل القدر تابعی گزرے ہیں فرماتے تھے: کاش! حضرت رسول مقبول ﷺ کے حجروں کو بحال رہنے دیا جاتا، تا کہ لوگ یہ دیکھ کر عبرت پکڑتے کہ شاہ کونین ورسول الثقلین علیہ السلام نے اور آپ ﷺ کے اہل بیت نے اس دار فنا میں اپنی حیات مستعار کس رنگ میں بسر فرمائی تھی۔ (مدارج النبوۃ)

فصل: ۷ ...... زاہدانہ معیشت

آغاز بعثت میں مکہ معظمہ کے اندر حضور فخر عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال کس طرح گزر بسر فرماتے تھے۔ اس کے متعلق کوئی خاص روایت نظر سے نہیں گزری۔ اس

لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اوائل بعثت میں حضرت فاطمہؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار کے زہد وقناعت کی کیا کیفیت تھی؟ تاہم مدینہ منورہ کے معیار زندگی پر قیاس کرتے ہوئے یقین ہوتا ہے کہ غنا اور تمول کے باوجود وہاں کی معیشت بھی بالکل سادہ اور انتہائی زاہدانہ ہوگی۔ دارالہجرت میں کاشانہ نبوی کے زہد وتقشف کی نسبت، جس میں حضرت زہراؓ اور دوسرے گھر والے آنحضرت ﷺ کے شریک حال تھے، کچھ تھوڑا سا سنئے:

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی فاقہ کشی

مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ خصوصاً راتوں کو تو آپ ﷺ اور گھر کے سارے لوگ بھوکے سو رہتے تھے۔ چنانچہ ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''آپ ﷺ اور آپ کے اہل وعیال کی کئی کئی راتیں فاقے میں گزر جاتی تھیں۔ کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔'' (ترمذی)

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ صبح کے وقت ازواج طاہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ وہ عرض کرتیں کچھ نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔ (مسند احمد)

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور سید کونین ﷺ کو دیکھتا تھا کہ سارا دن بھوک سے بے چین رہتے تھے۔ ان دنوں آپ کو ادنیٰ قسم کی کھجوریں بھی میسر نہیں تھیں، جن سے پیٹ بھر سکتے۔ (ابن ماجہ)

حالانکہ اگر خواہش کرتے تو دنیا بھر کی نعمتیں دم بھر میں مہیا ہو سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس تازہ کھانا آیا۔ آپ نے تناول فرما کر واہب کردگار کا شکر ادا کیا اور فرمایا اتنے دن سے میرے شکم میں تازہ غذا نہ گئی تھی۔ (ابن ماجہ)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''ہم ایک چاند دیکھتے۔ پھر دوسرا دیکھتے۔ پھر تیسرا دیکھتے۔ اتنی مدت تک پیغمبر ﷺ کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ام المؤمنین کے خواہرزادہ عروہ بن زبیرؓ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں، گزارش کی خالہ! پھر آپ اتنی مدت تک کھاتی کیا تھیں؟ فرمایا چند کھجوریں کھا کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ البتہ چند انصار ہمارے ہمسایہ تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے لئے دودھ بھیجتے تو آپ وہ دودھ ہم (ازواج) کو پلوا دیا کرتے تھے۔'' (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ''آل محمد ﷺ نے متواتر دو دن بھی جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ کا وصال ہوگیا۔'' (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ''آنحضرت ﷺ موٹا لباس پہنتے اور جو کی روٹی کھاتے۔ یہ روٹی ایسے موٹے آٹے کی ہوتی تھی کہ اس کا لقمہ پانی کے گھونٹ کے بغیر حلق سے نہیں اترتا تھا اور فرمایا کرتے کہ آدمی کا کسی ظرف کو بھرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا کہ پیٹ بھر کر کھانا ناپسندیدہ ہے۔ آدمی کو چند لقمے کافی ہیں جو کمر سیدھا رکھیں اور اگر انسان پر اس کا نفس غالب ہو تو شکم کا تہائی حصہ کھانے کے لئے رکھے۔ تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس لینے کے لئے۔'' (ابن ماجہ)

کاشانہ اقدس میں چراغ نہیں جلتا تھا

گو سرور کائنات ﷺ کے مسکن مبارک سے آفتاب ہدایت طلوع ہو کر دنیا پر ضیا گستری کر رہا تھا۔ لیکن اس میں چراغ تک نہیں جلتا تھا۔ (صحیح بخاری)

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ روشن نہیں ہوتا تھا۔'' (مسند ابوداؤد طیالسی)

آج مسلم گھرانوں کی معزز خواتین گھر کے کام کاج کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں۔ لیکن مخدوم انام سید الرسل ﷺ کی سب سے پیاری بیوی حضرت عائشہؓ جن سے بڑھ کر دنیا میں معزز خاتون نہ ہوگی، گھر کے تمام کام کاج اپنے دست مبارک سے انجام دیتی تھیں۔ خود چکی پیستی، خود آٹا گوندھتی تھیں، خود روٹی پکاتی تھیں، آنحضرت ﷺ کے کپڑے دھوتی تھیں۔ (بخاری)

لیکن یہ وہی کپڑے ہوتے تھے جو آپ ﷺ دھلوانے کے لئے جسم مبارک سے اتار دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''آپ کے پاس کوئی فالتو کپڑا نہیں تھا جو تہ کر کے رکھا جاتا۔'' (ابن ماجہ)

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''محبوب رب العالمین ﷺ نے (رحلت کے وقت) نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔'' (ابن ماجہ)

حضرت انسؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ''جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کی زرہ تین صاع جو پر، ایک یہودی کے پاس رہن تھی یہ جو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے لئے قرض لئے تھے۔'' (بخاری و ابن ماجہ)

اچھے لباس یا طلائی زیور کی ناگواری

باوجودیکہ حریم اقدس میں بعض بڑے بڑے امراء ورؤساء کی بیٹیاں بھی تھیں تاہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک کپڑا تھا۔ (بخاری)

اگر آپ ﷺ امہات المومنین میں سے کسی کے بدن پر فاخرہ لباس یا طلائی زیور دیکھ پاتے تو اسی وقت اتروا دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے۔ مگر آپ ﷺ نے یہ فرما کر اتروا دیئے کہ ''اگر ورس (ایک قسم کی زرد گھاس) کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو اس سے بہتر ہوتا۔'' آپ ﷺ ازواج طاہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر تمہیں اس کی آرزو ہو کہ جنت میں اعلیٰ درجہ کا سامان آرائش ملے تو دنیا میں ریشمی اور دوسری قسم کے پرتکلف لباس اور سونے کے زیور سے پرہیز کرو۔'' (نسائی)

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک ہار پہنا جس میں کسی قدر طلائی کام ہو رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے اعراض کیا۔ انہوں نے اس کو معاً اتار ڈالا۔ (مسند احمد)

اولاد اطہارؓ کا بھی یہی حال تھا۔ باوجودیکہ فتوحات کی کثرت مدینہ طیبہ پر سونے چاندی کا مینہ برسا رہی تھی۔ تاہم آپ ﷺ نے اولاد کرام کو دنیائے دنی اور آرائش فانی کی طرف کبھی مائل نہ ہونے دیا۔ تمام اولاد میں جناب زہراءؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین بیٹی تھیں لیکن وہ بھی اس محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہ حاصل کر سکیں۔ غذا و پوشش میں ان کا بھی وہی حال تھا جو ان کی سوتیلی ماؤں اور بہنوں کا تھا۔ حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھوں سے چکی پیستیں اور گھر کے تمام کام کرتی تھیں۔ (ابوداؤد)

حضور سرور انبیاء ﷺ کا جود وسخا

ان روایتوں سے جو اوپر درج ہوئیں، حضرات قارئین اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ زاہد تھے، فقیر نہیں تھے۔ یعنی آپ ﷺ کی فاقہ کشی اور آپ کا تقشف اختیاری تھا، اضطراری نہیں تھا۔ خود تو آپ ﷺ اپنی مرضی اور خواہش سے بھوکے رہتے، موٹا لباس پہنتے اور مسکینوں کی سی زندگی بسر فرماتے، لیکن جو نقد و جنس مختلف ذرائع سے آپ ﷺ کے پاس پہنچتا اسے مسکینوں اور حاجت مندوں میں بانٹ دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ''اگر کوہ احد کے برابر سونا بھی میرے پاس موجود ہو تو مجھے یہ مرغوب خاطر ہے کہ تین راتیں گزرنے

سے پہلے میرے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ رہے۔ بجز اتنی مقدار کے کہ ادائے قرض کے لئے پس انداز اکرلوں۔" (بخاری)

اور فرمایا کہ "خرچ کرو اور شمار نہ کرو۔ (کہ کتنا دیں اور کیا دیں) اور زر و مال کو روک نہ رکھو بلکہ جو کچھ ہو سکے دیتے رہو۔" (بخاری و مسلم)

گو فتوحات کی کثرت کے باعث سالانہ محاصل ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتے تھے، لیکن ساقی کوثر ﷺ کے دست سخا کو اسی وقت تسکین ہوتی تھی جب سارا سیم و زر محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم ہو چکتا تھا۔ ام المؤمنین ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ گھر میں تشریف لائے تو میں نے رخ انور کو متغیر پایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خیر تو ہے؟ حضور ﷺ کا مزاج مبارک مکدر کیوں ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ اب تک کسی حاجت مند کے کام نہیں آئے۔ (مسند امام احمد)

رئیس فدک نے ایک مرتبہ چار اونٹوں پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ نے جو آپ ﷺ کے امور خانہ داری کے منتظم تھے، ایک یہودی کا قرض ادا کرنے کے لئے غلہ فروخت کیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا؟ حضرت بلالؓ نے عرض کی ہاں کسی قدر بچ گیا ہے۔ فرمایا اس کو فوراً خیرات کر دو۔ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلالؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ! مجبور ہوں اس وقت کوئی محتاج نہیں ملتا۔ آپ ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن حضرت بلالؓ نے وہ غلہ محتاجوں میں تقسیم کیا اور مسجد میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بار سے سبکدوش کر دیا۔ آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لائے۔ (ابوداؤد)

ایک مرتبہ بحرین سے خراج آیا۔ یہ اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے دارالاسلام نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ جب آنحضرت ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کے صحن میں ڈلوا دو۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اس کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ جو سامنے آیا اسی کو دیا۔ جب سب کچھ بانٹ چکے تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (بخاری)

عین نزع کی حالت میں جب کہ انسان دنیا و مافیہا سے منقطع ہوکر عالم اضطراب میں دار آخرت کی طرف رخت سفر باندھتا ہے، آپ ﷺ کو یاد آیا کہ عائشہؓ کے پاس کچھ دینار تھے۔ اس نازک وقت میں بھی زر نقد کی موجودگی آپ کو توکل علی اللہ کے منافی نظر آئی۔ ارشاد فرمایا عائشہؓ! کیا محمد بدگمانی (عدم توکل) کے ساتھ اپنے مولیٰ سے ملاقات کرے گا؟ جاؤ! ان کو خیرات کردو۔ (مسند احمد)

مستشرقین کا اعتراض

مستشرقین یورپ اکثر لکھا کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے پیغمبرانہ حیثیت میں تھے۔ لیکن ہجرت کے بعد بادشاہ بن گئے۔ حالانکہ تمام عرب کے زیر نگیں ہو جانے پر بھی آپ ﷺ حسب سابق دنیوی مال ومتال سے کنارہ کش رہے۔ چنانچہ فقر وفاقہ کے متعلق جس قدر روایتیں اوپر سپرد قلم ہوئیں وہ سب مدنی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مدینہ منورہ ہی میں آپ ﷺ کی معیشت کا یہ عالم تھا کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ تین صاع جو پر گروی تھی اور جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر نیچے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینۃ الرسول میں سیم وزر کا سیلاب آیا ہوا تھا۔

امہات المومنینؓ کی فیاضی

زہد وقناعت نبوی کی جو مثالیں اوپر درج ہوئیں ان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہادیٔ انام ﷺ اپنے اہل وعیال کا ضروری نان ونفقہ ادا کرنے میں (معاذ اللہ) بے اعتنائی فرماتے تھے۔ نہیں! بلکہ آپ ﷺ نے ازواج طاہرات کے لئے بنونضیر کے نخلستان میں سے حصہ مقرر کرلیا تھا۔ وہ حصہ فروخت کرنے سے اتنی رقم آجاتی تھی جو اہل وعیال کے سال بھر کے ضروری مصارف کے لئے کفایت کرتی۔ (بخاری)

غرض آپ ﷺ ان کو سال بھر کا نفقہ پیشگی دے دیتے تھے۔ لیکن چونکہ امہات المومنین آپ ﷺ ہی کی تربیت یافتہ تھیں۔ ایک حبہ بھی اپنے پاس جمع نہ رکھتیں۔ بلکہ جو کچھ ہاتھ آتا اسے اولین فرصت میں فیاضی اور مساکین پروری پر خرچ کردیتیں۔ اور جس طرح انتہائی فاقہ کشی کے باوجود پیغمبر خدا ﷺ کا دریائے جود وسخا ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ اسی

طرح آپ ﷺ کی پاک بیبیاں خودتو فاقہ کشی کرتیں۔لیکن یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی کفالت اور غور وپرداخت میں کوئی بڑے سے بڑا فیاض ان سے گوئے سبقت نہ لے جاسکا۔ وہ اس فراخ دستی سے راہ خدا میں خرچ کرتی تھیں کہ بعض اوقات ان کے گھروں میں پانی کے سوا کوئی ایسی چیز نہ رہ جاتی تھی جو کسی ذی روح کے معدے میں جاسکے۔

ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوا۔ بھوکا ہوں کھانا کھلایئے۔آپ ﷺ نے کسی کو ایک حرم محترم کے پاس بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہوتو بھیج دیں۔ انہوں نے کہلا بھیجا اس ذات برتر کی قسم کہ جس نے آپ ﷺ کو حق وصدق کے ساتھ مبعوث فرمایا میرے گھر میں پانی کے سوا کوئی چیز نہیں۔ پھر دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس بھیجا تو وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔پھر یکے بعد دیگرے تمام بیبیوں کے پاس پیغام بھیجا۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ پانی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اس شخص کی مہمان داری کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے کہا یارسول اللہ! میں اسے اپنا مہمان بناؤں گا، اور لے جا کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم)

فصل:۸ ...... شادی

سنت نکاح: شادی کرنا انبیاء کی سنت ہے اور پیغمبر عربی ﷺ نے فرمایا کہ ”نکاح میری سنت ہے جس نے اس سنت پر عمل نہ کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ)

اور فرمایا کہ ”جب آدمی نے شادی کر لی تو اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کر لی۔ اس کے بعد اسے چاہئے کہ باقی نصف دین کے لئے تقویٰ اختیار کرے۔“ (بیہقی فی الشعب)

شادی میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ عداوت محبت سے بدل جاتی ہے اور اتحاد وارتباط ترقی کرتا ہے۔ اسی معنی میں ہادی انام ﷺ نے فرمایا کہ ”دو محبت کرنے والوں کے لئے نکاح سے بڑھ کر کوئی علاقہ باہم قریب کرنے والا نہ پاؤ گے۔“ (ابن ماجہ)

گو مال و دولت سے ہر قسم کی آسائشیں مہیا ہوسکتی ہیں۔ لیکن وہ گھر صحیح معنی میں آباد نہیں جس میں فطرت کا بنایا ہوا جوڑا موجود نہ ہو۔ چنانچہ سید الخلق ﷺ نے فرمایا: ”وہ مرد مسکین ہے جس کے گھر میں رفیقۂ حیات نہیں اگرچہ سرمایہ دار ہو اور وہ عورت مسکینہ ہے جس کے سر پر شوہر نہ ہو۔ اگرچہ دولت مند ہو۔“ (بیہقی فی الشعب)

بلوغ کے بعد تعجیل نکاح کی پسندیدگی

باپ پر اولاد کے جو حقوق ہیں۔ان میں سے شادی کرادینا بھی داخل ہے۔چنانچہ سرورانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کے ہاں فرزند متولد ہو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم وتربیت کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے، اور اگر اس کے بلوغ کے بعد شادی نہ کی اور وہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو اس کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوگی۔اور فرمایا تورات میں لکھا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہوگئی اور اس نے اس کو بیاہ نہ دیا اور پھر وہ کسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہے۔'' (بیہقی فی الشعب)

ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ اولاد کے عمر بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد باپ یا دوسرے اولیاء پر لازم ہے کہ ان کی شادی میں حتی الامکان عجلت کریں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب تمہاری طرف کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق کی طرف سے تم مطمئن ہو تو اسے (لڑکی کی) شادی کر دو۔اگر ایسا نہ کرو گے تو بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی۔'' (ترمذی)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ اس انتظار میں رہے گا کہ جب تک کسی پیغام بھیجنے والے کی ذات میں زمانے بھر کی خوبیاں علی وجہ الکمال نہ پائی جائیں گی۔اپنی لڑکی نہ بیاہے گا تو پھر شوہر کا ملنا دشوار ہو جائے گا اور بہت سی لڑکیاں بن خاوند کے رہ جائیں گی اور اس طرح بدکاری اور بداخلاقی کا شیوع ہوگا۔

''کفو'' کا اعتبار

ترمذی کی مندرجہ بالا حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ شادی کے لئے جو بڑی بات دیکھنے کی ہے وہ یہی ہے کہ مرد دیندار اور پرہیزگار ہو اور اس کے عادات واخلاق پسندیدہ ہوں۔چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں کفو یعنی ذات اور قومیت میں ایک دوسرے کے ہمسر ہونے کو غیر معتبر ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ کفاوت میں صرف دین اور تقویٰ کا اعتبار ہے۔خواہ مرد عورت کسی قوم اور کسی ذات اور خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔

لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ ترمذی کی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفو کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور شریعت غرّاء کفو کی قید کو کس طرح برطرف کر سکتی ہے۔

جب کہ طوائف الناس فطرتاً اس پر پیدا کئے گئے ہیں اور کفو پر طعن کرنے کو قتل سے زیادہ معیوب خیال کرتے ہیں اور ہر انسان اپنے اپنے رہتے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرائع وملل نے ایسی باتوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ امیر المومنین عمر فاروقؓ فرماتے تھے کہ میں عورتوں کو غیر کفو میں شادی کرنے سے روک دوں گا۔ پس حدیث مذکور میں پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ اگر اپنے کفو میں پیغام بھیجنے والے کا دین اور خلق پسندیدہ ہو تو اس کی قلت مال اور پراگندہ حالی کو نظر انداز کر کے اس سے نکاح کر دینا چاہئے۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

نکاح کے لئے مقدم ترین صفت

ترمذی کی اس حدیث سے جو اوپر درج ہوئی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا کہ نکاح کے لئے مرد یا عورت میں جن صفات کا لحاظ رکھا جاتا ہے ان میں مقدم ترین صفت تقویٰ وطہارت ہے۔ چنانچہ حضور خواجۂ عالم ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا: ''لوگ نکاح کرنے کے لئے چار چیزیں پیش نظر رکھتے ہیں۔ مال ودولت، حسب ونسب، حسن وجمال اور دینداری یعنی تقویٰ وپرہیز گاری لیکن تم پرہیز گاری اور تقویٰ شعاری کی صفت کو تمام صفتوں پر مقدم رکھو۔'' (بخاری ومسلم)

جوانی کی امنگ، حسینہ وخوش جمال بیوی کی طلب گار ہوتی ہے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''عورت کے حسن کو دیکھ کر اس سے نکاح نہ کرو۔ کیا عجب ہے کہ حسن ہی اس کی تباہی کا موجب ہو اور کسی عورت سے اس کے مال دار ہونے کی بنا پر بھی شادی نہ کرو۔ عجب نہیں کہ اس کا مال ہی اس کو فتنہ میں ڈالے۔ البتہ عقد میں عورت کے دین کا لحاظ رکھو۔ کالی کلوٹی، کان چھدی، پرہیز گار لونڈی، گوری، چٹی، حسینہ، آزاد وغیر متقی عورت سے بہتر ہے۔'' (ابن ماجہ)

پرہیز گار عورت سے عقد کرنے کی اس لئے ترغیب دی گئی کہ وہ خدا سے ڈرتی ہے۔ اسے شوہر کے حقوق کا احساس رہتا ہے۔ محبت کیش واطاعت شعار رہتی ہے۔ اس کے اثر تربیت سے اولاً بھی سدھرتی ہے اور مہذب رہتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی، اپنے خویش واقارب اور صحابہ کرامؓ کی اولاد کی شادیوں میں ہمیشہ اسی اصول کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اگر تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ حسن وجمال، حسب ونسب اور مال ودولت وغیرہ صفات بھی جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہے۔ ورنہ دینداری کی اہم صفت کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔

اوپر لکھا گیا ہے کہ بلوغ کے فوراً بعد لڑکی کی شادی کر دینا مناسب ہے۔ نکاح کے

وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی کتنی عمر تھی۔ اس کے متعلق دو مشہور قول ہیں۔ پندرہ سال اور اٹھارہ سال۔ اگر پندرہ سال تھی تو لڑکی کی شادی کے لئے یہ عمر موزوں ہے اور اگر اٹھارہ سال تھی تو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس تاخیر نکاح کی کوئی وجہ مذکور نہیں۔ تاہم ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مکہ مکرمہ میں حضرت سید کائنات ﷺ اور آپ کے اہل بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ سخت مصائب و مشکلات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے۔ اور قریش ہجرت سے پیشتر کئی سال سے آپ ﷺ کی جاں ستانی کی کوششوں میں منہمک تھے۔ ایسے پر آشوب زمانہ اور مخدوش حالات میں بھلا آپ ﷺ کے پاس پیام نکاح کوئی کیا بھیجتا؟ آخر جب آپ ﷺ ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے اور اہل بیت اطہارؓ بھی مدینۃ الرسول پہنچ گئے اور آپ ﷺ کو اور آپ کے جاں نثاروں کو کسی قدر اطمینان کی سانس لینا نصیب ہوا تو پیغام آنے شروع ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ پیغام مدینہ میں آپ ﷺ کے ورود مسعود کے پانچ مہینے بعد آئے تھے۔ (ابن سعد)

حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے پیغامات

اغلب ہے کہ سب سے پہلا پیام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تھا۔ گو فضیلت میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ تاہم سرورِ کونین ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ابھی انتظار کیجئے اور دیکھئے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے پیغام بھیجا۔ انہیں بھی یہی جواب ملا اور آسمان فضائل کے یہ دونوں مہر و ماہ گوہر مقصود کے حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ (ابن سعد)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں شیخینؓ کے پیغاموں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ چونکہ وہ بہت بڑے محقق و مبصر اور صائب الرائے محدث ہیں۔ اس لئے بعض حضرات نے اس روایت کو ناقابل التفات سمجھ کر غیر صحیح ٹھہرایا ہے، لیکن راقم الحروف کے نزدیک ابن سعدؓ کی یہ روایت جس میں حضرات شیخینؓ کا پیغام بھیجنا مذکور ہے۔ اسناداً بالکل صحیح ہے۔ اس سلسلہ کے راوی مسلم بن ابراہیم، منذر بن ثعلبہ اور علیا بن احمر یشکری بصری ہیں۔ بخاری اور ابوداؤد نے مسلم بن ابراہیم سے روایت کی ہے۔ منذر بن ثعلبہ کو نسائی نے ثقہ کہا اور ابن حسان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح علباء بن احمر کو بھی یحیٰ بن معین اور ابن حبان نے

ثقہ بتایا ہے اور صحیح مسلم میں علباء بن احمر کی ایک روایت موجود ہے۔ (تہذیب التہذیب)

اصل یہ ہے کہ ہر مومن قانت آنحضرت ﷺ سے شرف انتساب حاصل کرنے کا آرزومند تھا۔ اس آرزو کی ایک بڑی وجہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے: "كُلُّ نَسَبٍ وَّصِهْرٍ يَّنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ (رواہ ابن عساکر وقال السیوطی حدیث صحیح)" قیامت کے دن میرے نسبی تعلق اور سسرالی علاقہ کے سوا تمام نسب اور سسرالی رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے یار غار اور حضرت فاروق اعظمؓ جیسے جاں نثار آپ ﷺ سے رشتۂ مصاہرت قائم کرنے کے کس درجہ متمنی نہ ہوں گے۔ پس شیخ ابن حجرؒ کا اصابہ میں اس واقعہ کو قلم انداز کرنا اس روایت کے عدم صحت کو مستلزم نہیں۔

حضرت علیؓ کا پیغام اور اس کی منظوری

باوجودیکہ خواجۂ عالم ﷺ نے ورع وتقویٰ کو انسانیت کا سب سے بیش بہا جوہر قرار دیا تھا۔ تاہم حضرات شیخینؓ کے پیغاموں کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی ناداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیغام بھیجنے میں جھجکتے تھے اور جب کوئی اس کا مشورہ دیتا تھا تو اپنی تہی دستی اور ناداری کے پیش نظر اس کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ "جب میرے دل میں نبی ﷺ کی صاحبزادی کے لئے پیغام بھیجنے کا قصد ہوا تو ساتھ ہی یہ خیال بھی موجزن تھا کہ میں تو نادار ہوں۔ آپ ﷺ کیونکر میرا پیغام قبول فرمائیں گے۔ لیکن پھر مجھے آپ ﷺ کی نظر عاطفت اور جذبۂ صلہ رحمی کے پیش نظر عرض مدعا کا حوصلہ ہو گیا۔" (ابن سعد)

پیغام رسانی کے مشورے

روایت میں ہے کہ انصار کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم فاطمہؓ کے لئے سلسلہ جنبانی کرو۔ حضرت علیؓ آستان نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابن ابی طالب کی کیا حاجت ہے؟ عرض کیا کہ مجھ سے فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: مرحبا، اہلاً (عرب میں دستور ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو مرحبا و اہلاً کہتے ہیں۔ "مرحبا" کے معنی ہیں تمہاری جگہ فراخ ہے اور "اہلاً" کے معنی تم

اپنے اہل اور اقربا میں آئے ہو) ان دو لفظوں سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ حضرت علیؓ وہاں سے اٹھ کر اسی انصاری جماعت کے پاس آئے جو ان کی منتظر بیٹھی تھی۔ انصار نے پوچھا کیا جواب ملا! حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ ﷺ نے مرحبا و اہلاً کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا انصار نے کہا آپ کو رسول اللہ ﷺ کے یہی الفاظ کافی ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو اہل عطا کیا ہے اور مرحب (فراخی) بخشی ہے۔ (ابن سعد)

ایک روایت میں خود حضرت علیؓ کے اہل، یعنی خویش و اقارب نے انہیں یہ ترغیب دی تھی کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس پیغام بھیجیں اور یقین دلایا تھا کہ حضور اکرم قرابت قریبہ کے پیش نظر تمہارا پیام کبھی مسترد نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے پیغام بھیجا، جو نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ نے یہ پیغام حضرات شیخینؓ کی تحریک سے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیغام مسترد کر دیئے اور فرمایا کہ میں حکم الٰہی کا منتظر ہوں۔ اب حضرات شیخینؓ نے ارادہ کیا کہ حضرت علیؓ کو پیغام بھیجنے کا مشورہ دیں۔ چنانچہ دونوں بزرگ ہستیاں حضرت علیؓ سے ملیں اور ان کو پیغام بھیجنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوئے اور حضرت فاطمہؓ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک گھوڑا اور ایک بدن (چھوٹی زرہ) ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کہ گھوڑے کی تو تمہیں خود ضرورت ہے۔ البتہ زرہ بیچ دو۔ رواہ الطبزانی وقال الهیثمی وفیه یحییٰ بن یعلی وھو ضعیف! (مجمع الزوائد ج۹ ص۲۰۶)

گو یہ روایت اسناداً ضعیف ہے۔ لیکن چونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے نکاح کی ترغیب دیئے جانے کا تذکرہ کتب شیعہ میں بھی موجود ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عموماً اور جناب شیخینؓ کے خصوصاً شدید ترین دشمن ہیں۔ اس لئے یہ کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور اس حالت میں کہ شیعی حلقوں میں یہ واہمہ افسانہ بزم و انجمن بنا ہوا ہے کہ شیخینؓ اور جناب علی المرتضیٰؓ میں باہم چشمک و منافرت تھی۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شیعوں کی ایک روایت بھی پیش کی جائے۔ تا کہ ان مقدس نفوس کی باہمی محبت و موانست کا ایمان افروز منظر سامنے آ جائے۔

شیعوں کے مشہور مجتہد علامہ باقر مجلسی کی کتاب جلاء العیون میں اس مناکحت کی جو

تفصیل دی گئی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن ابوبکرؓ اور عمرؓ اور سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہم) مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت کا ذکر آ گیا۔ابوبکرؓ نے کہا کہ اشراف قریش نے حضرت فاطمہؓ کی خواستگاری کی اور حضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے۔ البتہ علی ابن ابی طالبؓ نے اس بارہ میں ہنوز سلسلہ جنبانی نہیں کی نہ کسی دوسرے نے ان کی طرف سے کچھ عرض معروض کیا۔گمان غالب یہ ہے کہ تنگ دستی کے سوا پیام بھیجنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس کے بعد عمرؓ اور سعد بن معاذؓ سے کہا کہ اٹھو علیؓ کے پاس چلیں اور فاطمہؓ کی خواستگاری کا مشورہ دیں اور اگر تنگ دستی اس کی مانع ہو تو ہم ان کی مدد کریں گے۔

یہ تینوں حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ ابوبکرؓ نے جناب مرتضیٰؓ سے کہا کہ حضرت رسول ﷺ سے تمہاری جو قرابت اور رابطہ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اکابر قریش نے فاطمہؓ کی خواستگاری کی۔لیکن حضرت ﷺ نے قبول نہ کی اور یہی جواب دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تمہیں کیا چیز اس کی خواستگاری سے مانع ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ جو آرزو میرے دل میں خفیہ و پنہاں تھی اسے تم لوگوں نے بیدار کر دیا، لیکن مجھے باعث ناداری اس امر کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ تاہم جس طرح سے ہوا انہوں نے جناب علیؓ کو خواستگاری پر آمادہ کیا۔ (جلاء العیون جلد اوّل ص ۱۱۸)

اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں مالی امداد دے کر پیغام بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں میں مخاصمت اور شکر رنجی ہوتی ہے۔ وہ ایسے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہوتے جیسے کہ حضرت ابوبکرؓ جناب علی المرتضیٰؓ کے تھے کہ اس مبارک پیوند کی نہ صرف زبانی ترغیب دی بلکہ عملی قدم اٹھا کر ان کی ناداری کا بھی مداوا کر دینا چاہا۔

واضح ہو کہ گو متذکرۂ صدر روایتوں میں کہ حضرت علیؓ نے کس کی ترغیب و تحریک سے پیغام نکاح بھیجا تھا۔ بظاہر تعارض و منافات دکھائی دیتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مختلف افراد سے مختلف اوقات میں اس طرح مشورہ دیا گیا ہو کہ ایک دوسرے کے مشورہ دینے کا علم نہ ہو۔

بہر حال حضرت علی المرتضیٰؓ آستان عالی میں حاضر ہوئے اور جا کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ لیکن آپ ﷺ کے جلال اور ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کسی طرح یارائے گفتار نہ

ہوا۔ حضور انور ﷺ نے پوچھا کہ کس طرح آئے ہو؟ کیا کوئی حاجت ہے؟ حضرت علیؓ خاموش رہے۔ ان کی یہ خاموشی دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کیا فاطمہؓ کی خواستگاری کے لئے آئے ہو؟ انہوں نے گزارش کی ہاں اسی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے وہ تم پر حلال ہو جائے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ وہ زرہ تو حطمی تھی جس کی قیمت محض چار درم تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہی دے دو۔ حضرت علیؓ نے اسے جناب فاطمہؓ کے پاس بھیج دیا۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

حضرت علیؓ کی ترجیح کے وجوہ واسباب

رہا یہ امر کہ حضور رسالت مآب علیہ السلام نے شیخینؓ جیسے فدایان دین وملت کی درخواست کو کیوں شرف قبول نہ بخشا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان پر کیوں ترجیح دی۔ سو اوّل تو یہ چیز مقدرات سے وابستہ ہے۔ کیونکہ ایک حدیث نبوی کے بموجب جوڑے روز ازل سے لکھے جا چکے ہیں۔ دوسرے حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے مربی وغمگسار چچا کی یادگار تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بدو طفولیت (شروع بچپن) سے اولاد کی طرح پالا تھا اور آپ ﷺ کے دامن شفقت کے سوا، ان کا کوئی اور سہارا نہ تھا اور باوجودیکہ ان کی عمر اس وقت اکیس سال سے متجاوز تھی تاہم ناداری کے باعث اس وقت تک اپنی خانہ آبادی کی کوئی سبیل نہ کر سکے تھے اور پیغمبر علیہ السلام کے سب سے قریبی ہونے کے علاوہ ان کی دینی وملی خدمات اور جاں نثاریاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ اس سے قطع نظر حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما جو متاہل اور صاحب اولاد تھے۔ کسی مزید عقد مناکحت کے حاجت مند بھی نہ تھے اور حضرت فاطمہؓ سے جو رشتۂ مناکحت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نسبی پیوند کا شرف قائم کر سکیں۔

ان وجوہ کی بنا پر ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کا استحقاق حضرات شیخینؓ سے کہیں بڑھ کر تھا۔ پس آقائے دو عالم ﷺ کے جذبۂ قدر شناسی وصلہ رحمی سے یہ امر قطعاً بعید تھا کہ ان کو نظر انداز کر کے کسی دوسرے کی درخواست کو شرف قبول بخشتے خواہ وہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضوان اللہ علیہم جیسی جلیل القدر ہستیاں کیوں نہ ہوں۔

منگنی کی رسم

شریعت اسلام نے نکاح کو مسنون اور رسموں کو مذموم ٹھہرایا ہے۔ شارع علیہ السلام نے اپنی لخت جگر کی تقریب شادی انجام دے کر امت کو تعلیم دی کہ مومنہ اور مومن کی شادی کس سادگی سے انجام پذیر ہونی چاہئے۔ اس تقریب میں نہ کوئی منگنی ہوئی نہ مہندی نہ کوئی نشانی کی گئی۔ منگنی صرف یہ تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بذات خود بارگاہ معلّٰی میں حاضر ہوکر پیغام دیا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو منظور فرمالیا۔ نہ منگنی میں کوئی مجمع ہوا، نہ مٹھائی آئی، نہ جوڑے سلائے گئے۔

اور فی الحقیقت منگنی چیز کیا ہے؟ وہ صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اگر خط وکتابت سے باہم عہد وپیمان ہوجائے تو بھی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر رسوم ہیں وہ سب مسرفانہ زوائد ہیں۔ اگر گھر والوں سے کہا جائے کہ منگنی کی رسم فضول ہے تو کہتے ہیں کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہوجاتا ہے۔ حالانکہ جو شخص صادق القول ہے اس کا ایک مرتبہ زبان سے کہہ دینا ہی کافی ہے۔ ورنہ بہت جگہ لوگ منگنی کی ساری رسمیں ادا کرکے بھی کسی لالچ یا مصلحت سے منگنی چھوڑا لیتے ہیں اور اس طرح وہ تمام رقم جو منگنی پر خرچ ہوتی ہے برباد ہوجاتی ہے۔

نکاح میں باپ کی وساطت

ہر چند کہ جوان لڑکی اپنے نکاح کی مجاز ومختار ہے۔ لیکن شریعت حقہ نے اس امر کو قطعاً گوارا نہیں کیا کہ لڑکی والدین کی وساطت کے بغیر ازخود کہیں یہ پیوند قائم کرے۔ کیونکہ اوّل تو اس میں بے شرمی ہے۔ دوسرے نکاح میں شہرت چاہئے اور وہ عورت کے اولیاء کی وساطت اور موجودگی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ تیسرے عورتیں عموماً ناقص العقل ہوتی ہیں۔ خصوصاً نوجوان لڑکیوں کی ناتجربہ کاری اور حالات زمانہ سے بے خبری اظہر من الشمس ہے۔ اگر وہ خودرائی سے کام لے کر جذبات کے ماتحت ازخود نکاح کریں گی تو گمان غالب ہے کہ کسی برے آدمی کے پلّے بندھ جائیں گی۔ انہی وجوہ کی بناء پر ایک حدیث میں جسے ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ولی کی مرضی اور اجازت کے بغیر نکاح کرلینے والی لڑکی کو چھنال سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ چھنال یعنی بازاری عورت کا بھی یہی کام ہے کہ

خلوت چاہنے والے مرد سے خرچی ٹھہرا کر از خود معاملہ کرتی ہے۔

اسی طرح پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''جو عورت اپنے ولی کے اذن کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

اور فرمایا کہ ''نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔'' (ابن ماجہ)

یاد رہے کہ اگر لڑکی کا باپ نہ ہو تو قریب یا بعید کا کوئی دوسرا رشتہ دار موجود ہونا چاہئے اور اگر کوئی ولی نہ ہو تو بادشاہ یا کوئی دوسرا مسلمان حاکم اس کا ولی ہے۔

لڑکی سے اذن لینے کی ضرورت

لیکن ولی کی وساطت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ لڑکی کی مرضی معلوم نہ کی جائے بلکہ ولی مامور ہے کہ اس سے اذن لے کر اس کا نکاح کرے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اس وقت تک کسی بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ ہو اور کسی کنواری (بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اذن نہ لیا جائے۔ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے: یا رسول اللہ! کنواری سے کس طرح اجازت لی جائے وہ تو شرم سے زبان نہ ہلائے گی؟ فرمایا: خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔'' (بخاری و مسلم)

اور فرمایا کہ ''بیوہ عورت ولی سے بڑھ کر اپنے نکاح کی مجاز ہے۔ لیکن کنواری سے اجازت لے لی جائے اور اس کا خاموش رہنا اظہار خوشنودی ہے۔'' (مسلم)

اور فرمایا ''بالغہ لڑکی خواہ ثیبہ ہو یا باکرہ دونوں حالتوں میں اس سے اذن لئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر طلب اجازت پر کنواری بالغہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دے تو یہی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔'' (ابن ماجہ)

اور فرمایا کہ ''کنواری سے اس کے نکاح کی اجازت لی جائے۔ اگر چپ رہے تو یہی رضامندی کی دلیل ہے اور اگر انکار کردے تو پھر اس پر کوئی جبر نہیں۔'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

اور انکار کی ایک صورت یہ ہے کہ پیغام سن کر یا اجازت لئے جانے پر غصہ سے منہ پھیر لے یہ حکم تو کنواری کے متعلق ہے۔ لیکن اگر بیوہ یا مطلقہ ہو تو اس کا زبان سے صاف اجازت دینا ضروری ہے۔ اگر وہ خاموش رہے گی تو اجازت متصور نہ ہوگی۔

لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار

لیکن یاد رہے کہ اگر ولی نے لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو اسے فسخ کا اختیار ہے۔ مروی ہے کہ "ایک نوجوان لڑکی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے چچا کا بیٹا بہت کچھ تباہ حال تھا۔ میرے باپ کو جو اس پر رحم آیا تو اس کی خانہ آبادی کے لئے میری مرضی کے خلاف اس سے میرا نکاح کر دیا۔ یہ عقد مجھے قطعاً گوارا نہیں۔ ام المومنینؓ نے فرمایا قدرے توقف کرو۔ نبی ﷺ ابھی قدم رنجہ فرماتے ہیں: تھوڑی دیر میں آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ لڑکی نے اپنی عرضداشت پیش کی۔ آپ ﷺ نے لڑکی کے باپ کو بلا بھیجا۔ جب باپ سے لڑکی کے بیان کی تصدیق ہو چکی تو آپ ﷺ نے لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار دیا۔ لڑکی بولی یا رسول اللہ ﷺ! میں باپ کے نکاح کو مسترد نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ دریافت کرنا منظور تھا کہ عورتوں کو بھی اپنے عقد میں کوئی دخل واختیار ہوتا ہے یا نہیں۔" (نسائی)

اسی طرح اور سنئے: مدینہ منورہ میں ایک شخص نے جس کا نام خِدام تھا کسی سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اس نے اپنے باپ کے نکاح کو ناپسند کیا۔ لڑکی آستان نبوت میں حاضر ہوئی اور اظہار ناراضی کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے باپ کا نکاح فسخ کر دیا۔ پھر اس لڑکی کا نکاح ابولبابہ بن عبدالمنذر سے کیا گیا۔ (ابن ماجہ)

حضرت عثمانؓ بن مظعون مہاجر رحلت کے وقت ایک جوان لڑکی چھوڑ گئے تھے۔ ان کے بھائی قدامہ بن مظعون نے اس لڑکی کا نکاح اس سے پوچھے بغیر اپنے بھانجے سے کر دیا۔ لڑکی نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور چچا کو کہلا بھیجا کہ اس کی بجائے میرا عقد مغیرہؓ بن شعبہ سے کر دو۔ قدامہ نے پہلا عقد فسخ کر کے اسے حضرت مغیرہؓ کی زوجیت میں دے دیا۔ (ابن ماجہ)

جناب زہراؓ سے اذن لیا جانا

مروی ہے کہ جب حضرت علیؓ نے جناب سیدۃ النساءؓ کی خواستگاری کی تو سرور انبیاء ﷺ آستان مبارک میں تشریف لے گئے اور جناب سیدہؓ سے فرمایا کہ علیؓ تمہارا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن وہ خاموش رہیں۔ (ابن سعد)

اور یہی خاموشی رضامندی کی دلیل تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ گھر سے نکلے اور

مسجد میں آ کر حضرت علیؓ سے نکاح کر دیا۔ (اخرجہ الدولابی ذخیرۃ العقبیٰ ص ۲۹)

عقد نکاح

حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ نے سیدۂ عالم علیہا السلام کے عقد نکاح کا قصد فرمایا تو حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جا کر مہاجروں میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر ؓ کو اور انصار کے فلاں فلاں آدمیوں کو بلا لاؤ۔ یہ سب حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک بلیغ خطبہ پڑھ کر نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے قبول کیا۔ پھر آپ ﷺ نے علی اور فاطمہ (ؓ) کے حق میں دعائے خیر کی۔ بعد ازاں سید المرسلین ﷺ نے چھوہاروں کا ایک طبق لیا اور چھوہارے پھیلا دیئے۔ (روضۃ الاحباب)

اسی بناء پر بعض فقہاء کے نزدیک عقد نکاح کی ضیافت میں چھوہاروں یا شکر اور بادام کا تقسیم کرنا مستحب ہے۔ (مدارج النبوۃ)

یہ مبارک تقریب اوائل محرم ۲ھ میں انعقاد ہوئی۔ (مواہب واصابہ)

کہا جاتا ہے کہ اس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آستان مبارک میں آئے۔ ساڑھے چار مہینے گزر رہے تھے۔ (اصابہ)

ایک روایت میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت علی المرتضیٰؓ موجود نہ تھے۔ رسول خدا ﷺ نے انہیں کسی کام پر بھیج رکھا تھا۔ جب واپس آئے تو سرور انبیاء ﷺ مسکرائے اور فرمایا: علیؓ! میں نے اتنے مہر پر فاطمہؓ کا نکاح تم سے کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے التماس کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں راضی ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اس موہبت کبریٰ پر سربسجود ہو گئے اور واہب کردگار عز اسمہ کا بہت کچھ شکر ادا کیا۔

یاد رہے کہ عورت تو درکنار مرد یعنی دولہا کا بھی مجلس نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً اگر پردیس میں ہو تو کسی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ چونکہ وکیل مؤکل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ نے اپنا کوئی وکیل مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حضور اقدس ﷺ ہی نے یہ فرما دیا تھا کہ میں نے فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے کر دیا۔ بشرطیکہ علیؓ منظور کریں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ آئے تو آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب میں کہنے لگے کہ میں نے منظور کیا۔ اگر زوج خود موجود نہ ہو تو وکیل کو چاہئے کہ وہ ایجاب کے بعد یوں کہہ دے کہ میں نے فلاں بن فلاں کی طرف سے اس نکاح کو قبول کیا۔

ہندوستان میں نکاح کا ارزاں ہونا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واقعہ نکاح سے ثابت ہوا کہ برأت، ڈھول ڈھمکا تو درکنار شادی کے لئے دلہا تک کی موجودگی بھی ضروری نہیں۔ دنیا کے ہر کام میں تھوڑے بہت خرچ کی ضرورت ہے۔ بجز نکاح کے کہ یہ اپنی حقیقت میں پیسہ دو پیسہ کے خرچ پر بھی موقوف نہیں۔ کیونکہ اس کی حقیقت ایجاب وقبول کے سوا جو محض زبان کے دو بول ہیں اور کچھ نہیں اور ایجاب وقبول کسی خرچ سے بالکل مستغنی ہے۔ رہے چھوہارے سو وہ محض مستحب ہیں۔ نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور مہر پر بھی کچھ خرچ نہیں آتا۔ کیونکہ ہندوستان میں مہر کے نقد دینے کا رواج ہی نہیں اور ادھار بھی اس صورت میں ہے کہ دیا اور لیا جائے بلکہ عام طور پر تو یہی مقولہ سنا جاتا ہے کہ مہر تو محض دباؤ کے لئے ہے۔ لینا دینا تھوڑا ہی ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ مہر بھی شوہر کے ذمے ویسا ہی قرض ہے۔ جیسے دوسرے قرضے واجب الاداء ہوتے ہیں۔ بہر حال چونکہ اس رقم کا مطالبہ اور تقاضا نہیں ہوتا۔ اس لئے نفس نکاح میں یہ خرچ شامل نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نکاح بڑی ارزاں چیز ہے، لیکن لوگوں نے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اس کام کو بھی ایسا مہنگا اور مشکل بنا دیا ہے اور ایسی پابندیوں اور رسموں میں جکڑ رکھا ہے کہ غریب آدمی کے سر پر مصیبت کا ایک پہاڑ کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت سیدۃ النساء علیہا السلام کی شادی پر نہ کوئی برأت آئی نہ کوئی مجمع کیا گیا۔ حالانکہ حضور سرور موجودات ﷺ چاہتے تو آسمان کے فرشتوں تک کو مدعو کر سکتے تھے۔ اسی طرح نہ حضرت علیؓ دلہا کی حیثیت سے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ نہ جناب سیدہ جنت سلام اللہ علیہا پالکی بیٹھیں، نہ ڈھول تماشہ اور باجا گاجا آیا اور نہ کوئی دوسری غیر اسلامی رسم ادا ہوئی۔

ایک مسلمان لڑکی کی شادی کے لئے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے عقد کی سادگی سے زیادہ اہتمام اور تگ ودو کسی طرح پسندیدہ نہیں، لیکن آج ایک مسلمہ کی شادی مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے آقا و مولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے دلیل راہ بنائیں۔

مہر کی مقدار

حنفی مذہب میں جو اطراف و اکناف ہند میں عام طور پر رائج ہے۔ مہر کی ادنیٰ مقدار دس درہم ہے۔ درہم چاندی کا ایک سکہ تھا جو ہندوستان کی موجودہ چونی سے کسی قدر بڑا ساڑھے تین ماشہ وزن کا ہوتا تھا۔ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ مہر نہ تو اتنا کم ہونا چاہئے کہ اس سے لڑکی کی تحقیر ہو اور نہ اتنا زیادہ کہ ادا کرنا مشکل ہو۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے سوا باقی تمام ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے مہر عموماً پانچ پانچ سو درہم تھے۔ چنانچہ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ عورتوں کے بھاری مہر نہ باندھا کرو اور گراں مہر دنیا میں فضیلت و بزرگی کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو نبی ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے اور میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر کسی بیوی سے عقد کیا ہو اور بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر اپنی کوئی صاحبزادی بیاہی ہو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت ام حبیبہؓ کا مہر سب سے زیادہ یعنی چار سو دینار تھا لیکن یہ مہر نہ تو پیغمبر خدا ﷺ کا مقرر شدہ تھا اور نہ آپ ﷺ نے ادا فرمایا تھا بلکہ حضرت نجاشی شاہ حبشہؓ نے یہ رقم خود ہی مقرر کر کے اپنی طرف سے ادا کر دی تھی۔ (مستدرک حاکم)

مہر شرعی

اوپر لکھا گیا ہے کہ مہر کی ادنیٰ مقدار دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ مہر ہمیشہ زوجین کی حیثیت اور مالی حالت کے مطابق مقرر کیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر شریعت حقہ نے اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کو جانبین کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ پس یہ جو پنجاب کے بعض غیر علمی طبقوں میں مشہور ہے کہ مہر شرعی بتیس روپیہ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں! اگر کوئی رقم شرعی مہر کہلانے کی حقدار ہو سکتی ہے تو وہ وہی ہے جو امہات المؤمنینؓ اور بنات طاہراتؓ کا تھا۔ یعنی پانچ سو درہم، چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ہمارے اصحابؒ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص متحمل ہو سکے۔ اس کے لئے پانچ سو درہم مہر مستحب ہے۔ (نووی علی المسلم ص ۴۵۸)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا مہر بعض روایتوں میں چارسو اسی درہم اور دوسری حدیثوں میں چارسو مثقال بتایا گیا ہے۔ درہم ساڑھے تین ماشہ کا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ مولانا نواب قطب الدین خان مرحوم لکھتے ہیں کہ "ام حبیبہؓ کے سوا آنحضرت ﷺ کی سب بیبیوں کا اور حضرت فاطمہؓ کے حضرت کی سب بیٹیوں کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ اگر روپیہ بارہ ماشہ کا ہو تو پانچ سو درہم کے ایک سو اکیس روپے چار آنے ہوئے اور اگر روپیہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہو تو ایک سو سینتیس روپے بنتے ہیں اور حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چارسو دینار کا تھا۔ اگر روپیہ بارہ ماشہ کا ہو تو اس رقم کے ایک ہزار پچاس روپے بنتے ہیں اور اگر ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہو تو ایک ہزار پچانوے روپے ایک آنہ ہوئے اور حضرت فاطمہؓ کا مہر چارسو مثقال چاندی کا تھا۔ اگر روپیہ بارہ ماشہ کا ہو تو اس کے ڈیڑھ سو روپے بنتے ہیں اور اگر ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہو تو ایک سو چھپن روپے ساڑھے آٹھ آنے ہوتے ہیں۔" (مظاہر حق ج ۳ ص ۱۴۵)

(یاد رہے کہ یہ ریٹ اس زمانہ کے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں جب روپیہ کی قیمت گر گئی ہے اب موجودہ قیمت کے مطابق یہ حساب فہمید و توجہ کا مستحق ہے۔ ناشر!)

مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینے کا استحباب

حضرت عکرمہؓ کا بیان ہے کہ جب شادی کے بعد حضرت علیؓ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں سیدۃ النساءؓ کے رخصت کئے جانے کی درخواست کی تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پہلے کوئی چیز فاطمہؓ کو دے دو۔ انہوں نے عذر کیا کہ میرے پاس تو (زرنقد) کچھ بھی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ حطمی زرہ جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی کیا ہوئی؟ جناب علیؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا وہی دے دو۔ چنانچہ انہوں نے یہ زرہ حضرت فاطمہؓ کے پاس بھجوادی۔ حضرت عکرمہؓ کا بیان ہے کہ اس زرہ کی قیمت کلھم چار درہم تھی۔ (ابن سعد)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شوہر کے لئے مناسب ہے کہ پہلی ملاقات کے وقت یا اس سے پہلے کوئی چیز دے کر منکوحہ کو مانوس اور خوش کرے۔ سنن ابوداؤد کے ایک

شارح نے اس حدیث کے ذیل میں جس میں حطمی زرہ دینے کا ذکر ہے۔لکھا ہے: ''ھـــو المعروف عند الناس کافۃ'' (یہ تمام لوگوں میں مشہور اور رائج ہے)

مولانا نواب قطب الدین خاں مرحوم لکھتے ہیں کہ ''بعض علماء نے اس حدیث کو مہر معجل پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ مہر میں سے کسی قدر رقم خلوت سے پہلے دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شوہر منکوحہ سے اس وقت تک ملاقات نہ کرے۔ جب تک اس کو کچھ پیشگی نہ دے لے۔ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، زہریؒ اور قتادہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جناب زہراؓ کو جو زرہ دی وہ مقررہ مہر یعنی چار سو مثقال میں سے پیشگی تھی اور یہ پیشگی دینا دوسرے علماء کے نزدیک واجب اور ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک مستحب ہے۔'' (مظاہر حق ج ۳ ص ۱۴۸)

ادائے مہر

حضرت علیؓ نے سیدۃ النساء کی رخصتی کے بعد دین مہر کی رقم فوراً ادا کردی۔ چنانچہ ابن سعدؓ نے علبا بن احمر یشکری سے روایت کی کہ حضرت علیؓ نے اپنا اونٹ چار سو اسی درہم میں فروخت کر کے حضرت فاطمہؓ کا مہر ادا کر دیا۔ اس میں سے کچھ رقم کپڑوں پر اور کچھ خوشبو پر خرچ کی گئی۔ (ابن سعد)

یاد رہے کہ شریعت غراء نے مہر معجل ہی ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ ازواج مطہراتؓ کا مہر عموماً عقد سے پہلے یا فوراً بعد یا کم از کم رخصتی سے پہلے ادا فرماتے رہے۔ اس سے مسلمانان ہندوستان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو تراخی و تاخیر کے ساتھ ادا کر دینا تو درکنار ساری عمر دین مہر ادا کرنے کا نام نہیں لیتے اور سر پر اس بار قرض کو اٹھائے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نکاح کی مقدم ترین شرط مہر ادا کرنا ہے۔ چنانچہ ہادیٔ انام ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کی اہم شرطوں میں سے جن کا ایفا لازم ہے وہ شرط ہے کہ تم پر تمہاری بیویاں حلال ہوئیں۔ (یعنی مہر) (رواہ البخاری ومسلم)

مہر ادا نہ کرنے کا قصد

معلوم ہو کہ جو شرائط اور وعدے کہ سلسلۂ تزویج میں واجب الاداء ہیں۔ ان میں مقدم ترین شرط مہر ادا کرنا ہے۔ دوسری نان ونفقہ، تیسری حسن سلوک، جو شخص مہر ادا کرنے کا

ارادہ نہیں رکھتا اس کی وعید پیغمبر خدا ﷺ کی زبان مبارک سے سنئے۔ ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کا ارادہ مہر دینے کا نہیں ہے تو وہ زانیوں کی سی موت مرے گا" اور دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص نکاح کر کے مہر دینے کا قصد نہیں رکھتا تو وہ گویا زانی ہے۔" (بیہقی فی شعب الایمان)

الغرض دین مہر ہر حال میں واجب الاداء ہے۔ اگر کسی نے زندگی میں ادا نہ کیا اور وہ مرگیا تو اس کے ترکہ میں سے سب سے پہلے مہر ادا ہونا چاہئے اور اگر میت کے وارث اس کا دین مہر اور دوسرے قرض ادا کئے بغیر جائیداد تقسیم کرلیں تو ان پر لازم ہے کہ بقدر حصہ رسد مہر اور دوسرے قرضے ادا کر کے میت کو حقوق العباد کی طرف سے سبک دوش کریں۔

نکاح کے وقت زوجین کی عمریں

معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت زہراؓ نے عمر کی اٹھارہ منزلیں طے کی تھیں۔ چنانچہ ابن سعدؒ نے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر خدا ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اس کے بعد اسی سال ماہ رجب میں حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ (اصابہ)

دوسری روایت میں جناب زہراؓ کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ بتائی گئی ہے۔ (استیعاب)

اس بارہ میں سخت اختلاف ہے کہ نکاح کے وقت حضرت علی المرتضیٰ کی عمر کتنی تھی؟ یہ مسلّم ہے کہ وہ اوائل بعثت میں یعنی ہجرت سے تیرہ سال پیشتر مشرف باسلام ہوئے تھے۔ پس اگر یہ طے ہو جائے کہ قبول اسلام کے وقت ان کا سن مبارک کیا تھا تو یہ دریافت کرنا آسان ہو جائے گا کہ شادی کے وقت ان کی عمر کتنی تھی؟ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰنؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ ایمان لائے تو اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی، لیکن علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ میرے علم میں ابوالاسود کے سوا کوئی شخص اس کا قائل نہیں ہوا۔ ابن اسحاقؒ نے حضرت علیؓ کے مشرف باسلام ہونے کے وقت ان کا سن مبارک دس سال بتایا ہے اور ابوعمر نے ان کی عمر تیرہ سال بیان کی ہے اور ابوعمر کو اپنے بیان پر اس درجہ وثوق تھا کہ انہوں نے حلف اٹھا کر بتایا کہ تمام مختلف اقوال میں تیرہ سال کا قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) بھی اس کے قائل تھے کہ وہ مسلمان ہوتے وقت تیرہ سال کے تھے۔ (استیعاب)

راقم الحروف کے نزدیک ابن اسحاق یا ابوعمر میں سے کسی ایک کا قول صحیح ہے اور

وجہ ترجیح حضرت عباسؓ کا بیان ہے۔ چنانچہ واقدی نے اپنی سند سے امام محمد باقرؒ سے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ جناب علی المرتضیٰؓ اور سیدۃ النساء حضرت زہراءؓ کے ہاں قدوم فرما ہوئے۔ اس وقت وہاں یہ تذکرہ چھڑا تھا کہ دونوں میں مسن (عمر میں بڑا) کون ہے؟ حضرت فاطمہؓ کا خیال تھا کہ وہ عمر میں جناب علیؓ سے بڑی ہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ نہیں فاطمہؓ اس وقت پیدا ہوئیں جب قریش کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ (یعنی نبوت سے پانچ سال پیشتر) اور علیؓ اس سے چند سال پیشتر متولد ہوئے تھے۔ (اصابہ)

الغرض بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر دس سال کی تھی تو وہ ہجرت کے وقت تیئس سال کے تھے اور اگر تیرہ سال تھی تو پھر انہوں نے اپنی عمر کی چھبیس منزلیں طے کی تھیں۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰؓ بعثت کے تیرہ سال بعد ماہ ربیع الاوّل میں ہجرت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تھے اور نکاح اس کے چند ماہ بعد ہوا۔ پس نکاح کے وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کی عمر تیئس یا چھبیس سال سے متجاوز تھی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقد نکاح اور حضرت فاطمہؓ کی رخصتی بیک وقت عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ نکاح ہجرت کے قریباً پانچ مہینہ بعد ہوا تھا اور رخصتی جنگ بدر کے بعد اوائل محرم ۲ھ میں معرض عمل میں آئی تھی۔ (ابن سعد)

جہیز

لڑکی کو حسب استطاعت جہیز دینا مستحب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ "فاطمہؓ کے لئے جہیز تیار کریں اور انہیں علیؓ کے پاس پہنچا دیں۔" (ابن ماجہ)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جناب زہراؓ کے جہیز میں کیا کیا چیزیں عطاء کیں۔ امام نسائی نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کی ہے کہ خواجہ عالم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو یہ تین چیزیں دیں۔ ایک مشکیزہ، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری تھی اور سیاہ رنگ کی ایک چادر۔

اور ابن سعد نے حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فاطمہؓ کی شادی پر یہ چیزیں دیں۔ ایک کپڑا، ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو گھڑے اور ابن سعد نے حضرت عکرمہؓ سے یہ چیزیں روایت کی ہیں۔ ایک منقش تخت، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک پیالہ اور ایک مشکیزہ۔

رخصتی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ عقد کے بعد فاطمہؓ کے لئے ایک مکان تجویز کیا گیا۔ پھر ہم نے میدان بطحا کے کنارے سے نرم مٹی منگوائی اور اپنے ہاتھوں سے اس میں بچھائی اور فرش تیار کیا۔ پھر خرما کی چھال اپنے ہاتھ سے توم کر دو تکیے تیار کئے اور مشکیزہ لٹکانے کے لئے مکان کے ایک کونے میں کھونٹی گاڑ دی اور فاطمہؓ کو اس مکان میں پہنچا دیا۔ (ابن ماجہ)

غرض حضرت فاطمہؓ کی رخصتی نہایت سادہ طریق پر انجام پائی۔ پیغمبر خداﷺ کے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کی بیوی حضرت ام ایمنؓ جناب سیدۃ النساء کو اپنے ساتھ کے مکان مذکور میں پہنچا آئیں۔ نہ کوئی رتھ تھا، نہ پالکی تھی، نہ عماری تھی۔ سیدۃ النساء العالمینؓ بے تکلف اپنے پاؤں چل کر دلہا کے گھر پہنچ گئیں۔

صاحبزادی کے مسکن پر قدوم

دوسرے دن علی الصباح حضور فخر موجوداتﷺ صاحبزادی کے پاس تشریف لے گئے۔ پہلے حسب معمول دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ جب اجازت ملی تو اندر تشریف لے گئے اور ام ایمنؓ سے فرمایا کہ علیؓ کو بلاؤ۔ حضرت علیؓ آئے تو آپﷺ نے برکت کے لئے ان پر پانی کے چھینٹے مارے اور ان کے لئے دعا کی۔ پھر حکم دیا کہ فاطمہؓ کو بلاؤ۔ وہ ان کو بھی بلا لائیں۔ وہ اس طرح حاضر ہوئیں کہ حیا کے مارے ان کے قدم لڑکھڑاتے تھے۔ آپﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو ایسے شخص کے نکاح میں دیا ہے جو مجھے اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر ان پر بھی پانی چھڑکا۔ (حاکم فی المستدرک)

دوسری روایت میں یوں ہے کہ نکاح کے بعد سرور انبیاءﷺ حضرت علی المرتضیٰؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور حضرت زہراؓ سے فرمایا کہ میرے پاس پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہؓ ایک کاسہ چوبیں (لکڑی کا بنا ہوا پیالہ) میں پانی لائیں۔ آپﷺ نے اس پیالہ کو لیا اور کلی کر کے اس میں ڈالی۔ پھر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ آگے آؤ۔ وہ آگے بڑھیں۔ آپﷺ نے ان کے سینے اور سر کے درمیان پانی چھڑکا اور دعا مانگی۔ الٰہی میں فاطمہؓ اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو پانی لانے کا

حکم دیا۔ وہ پانی لائے۔ آپ ﷺ نے پیالہ لے کر اس میں کلی کی اور فرمایا آگے آؤ۔ پھر ان کے سر اور سینے پر پانی چھڑکا اور دعا کی الٰہی! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ (ابن حبان)

آپ ﷺ نے پانی چھڑکنے کے بعد زوجین کے حق میں جو دعا کی وہ یہ تھی: "اللھم بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما (ابن سعد)" ﴿الٰہی ان دونوں کو برکت دے اور ان پر برکت نازل فرما اور ان کی نسل کو بابرکت کر۔﴾

حضرات قارئین! آپ نے مؤخر الذکر روایت میں پڑھا کہ جناب سیدہؓ، حضرت علیؓ کے سامنے اٹھ کر خود پانی لائیں۔ ذرا یہاں کی دلہنوں کو دیکھئے کہ بعض خاندانوں میں دو دو تین تین مہینہ تک کسی سے ہم کلام نہیں ہوتیں۔ اگر بے چاری اپنے منہ سے پانی تک مانگ بیٹھیں تو چاروں طرف غل مچ جاتا ہے کہ ہے ہے کیسی بے حیائی کا زمانہ آ گیا۔

یہ قباحت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ دلہن بے چاری شادی سے پہلے بھی سخت قسم کے قرنطینہ (وہ جگہ جہاں متعدی بیماری والے مریضوں کو علاج کے لئے علیحدہ رکھا جاتا ہے) میں رکھی جاتی ہے۔ اس قرنطینہ کو رسوم پرستوں کی اصطلاح "مائیوں بیٹھنا" کہتے ہیں۔ وہ جرم نا آشنا ایک کوٹھڑی میں بند کر دی جاتی ہے۔ جہاں اپنی ضروریات تک میں دوسروں کی محتاج رہتی ہے۔ از خود بول و براز کے لئے بھی نہیں جا سکتی اور پھر زیادہ جائے تاسف یہ ہے کہ اگر دلہن نماز کی پابند ہو تو بھی اس قرنطینہ میں پڑ کر نہ وضو کے لئے پانی مانگ سکتی ہے اور نہ قرنطینہ صلوٰۃ ادا کرتی ہے۔ یہ قبیح رسم کم و بیش ہندوستان کے قریب قریب ہر حصہ میں جاری وساری ہے۔

دعوت ولیمہ

ولیمہ اس دعوت کو کہتے ہیں جو دولہا کی طرف سے عقد نکاح یا رخصتی کے بعد کی جائے۔ اکثر علماء کے نزدیک ولیمہ کرنا سنت ہے۔ بعض نے مستحب بھی کہا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے۔ بعض نے اس کو فرض کفایہ بھی بتایا ہے۔ دعوت ولیمہ کے قبول کرنے کا وجوب کئی وجوہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً صاحب دعوت کی آمدنی وجہ حرام سے ہو یا صرف ممتاز اور متمول لوگوں کی دعوت کی گئی ہو۔ دوسروں کو نظر انداز کیا گیا ہو یا دعوت اظہار فخر اور بڑائی جتلانے کو کی گئی ہو، یا معصیت پر مدد کرنا ہو یا کوئی اور

امر خلاف شریعت پایا جائے۔ ان صورتوں میں کوئی صورت بھی پائی جائے تو دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب نہیں رہتا۔ بعض بدنصیب ہندوانہ رسمیں ادا کرنے میں تو ہزاروں روپیہ برباد کر کے عاقبت کی رسوائی خرید لیتے ہیں، لیکن نکاح کے بعد دعوت ولیمہ کی سنت ادا کرنے کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ رسموں سے دست بردار رہ کر دعوت ولیمہ پر اکتفاء کرتے تو ان کے حق میں بہت بہتر تھا۔ اس بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی دعوت ولیمہ کا کیا انتظام ہوا تھا؟ ایک روایت یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے (رخصتی کے بعد) حضرت علیؓ سے فرمایا کہ شادی کے لئے دعوت ولیمہ بھی ضروری ہے تو حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ عرض پیرا ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس ایک بھیڑ ہے۔ اس سے ولیمہ کر دیا جائے۔ غرض وہ بھیڑ لے آئے۔ اس طرح بعض دوسرے انصار نے بھی اس کام میں حضرت علیؓ کا ہاتھ بٹایا۔ (ابن سعد)

دوسری روایت میں ہے کہ خود حضرت علیؓ نے ولیمہ کیا اور اس ولیمہ سے پیشتر اور کوئی ولیمہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت علیؓ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھ کر جو، لائے اور جو کی روٹی اور کھجور کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (ابن سعد)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ تو اپنی زرہ حضرت فاطمہؓ کو دے چکے تھے۔ اب یہ زرہ کہاں سے آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو احتمال ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے یہ زرہ ولیمہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو واپس دے دی ہو۔

تیسرا بیان یہ ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ رقم بچ گئی تھی۔ اس سے حضرت علیؓ نے ولیمہ کا انتظام کیا۔ دستر خوان پر کھجور، نان جویں، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا لیکن اس سادگی میں بھی اس زمانہ کے لحاظ سے بہت کچھ تکلف تھا۔ چنانچہ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔ (زرقانی)

چوتھی روایت میں ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دعوت ولیمہ پر کھجور اور انگور کھلایا گیا اور میٹھا پانی پلایا گیا۔ پس ہم نے فاطمہؓ کی شادی سے بہتر کوئی شادی نہیں دیکھی۔ (ابن ماجہ)

اس آخری روایت میں حضرت فاطمہؓ کی شادی کو بہترین شادی بتایا گیا ہے۔ واقعی مسرت اندوز شادی وہی ہے جو بے تکلفی اور راحت و اطمینان کے ساتھ انجام پائے اور ظاہر ہے کہ جس قدر تکلف اور تگ و دو اور اسراف و تبذیر زیادہ ہو وہ شادی نہیں ہوتی بلکہ

انجام ومآل کے اعتبار سے بربادی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اوپر نقل کیا گیا ہے کہ شادی کے لئے دعوت ولیمہ بھی ضروری ہے۔ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی اس کی نسبت لکھتے ہیں۔ امام احمدؒ نے بریدہ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ شادی کے لئے دعوت ولیمہ ضروری ہے۔ ابن بطال نے لکھا ہے کہ ولیمہ حق ہے۔ یعنی باطل نہیں بلکہ مستحب اور سنت فضیلت ہے اور حق سے وجوب مراد نہیں اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ مشہور تو یہی ہے کہ ولیمہ مستحب ہے اور کتاب مغنی میں اس کو سنت بتایا ہے اور بعض شافعیہ کے نزدیک واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس کا حکم دیا تھا اور حکم کی تعمیل واجب تھی۔ پس ولیمہ واجب ہے۔ دوسرے علماء کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ولیمہ طعام سرور ہے اس لئے دوسرے کھانوں کے مشابہ ہے اور امر استحباب پر محمول ہے۔ (فتح الباری ج۹ص ۱۸۸)

امور خانہ داری کی تقسیم

حضرت علیؓ کی شادی کے وقت ان کی والدۂ محترمہ فاطمہؓ بنت اسد زندہ موجود تھیں۔ خدائے برتر نے انہیں سعادت ایمان کے بعد ہجرت کا شرف بھی عطاء فرمایا تھا۔ پہلے تو وہ مدینہ منورہ میں اپنے بڑے بیٹوں کے پاس رہتی تھیں لیکن جب حضرت علیؓ کی شادی ہوئی تو انہی کے پاس چلی آئیں۔ زہری کا بیان ہے کہ فاطمہؓ بنت اسد سب سے پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جنہوں نے ایک ہاشمی خلیفہ کو جنا۔ ان کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراءؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن مبارک سے حضرت حسن مجتبیٰؓ متولد ہوئے۔ ان کے بعد ملکہ زبیدہ زوجہ ہارون رشید نے امین کو جنا۔ ان تینوں کے سوا کسی ہاشمی خاتون کے بطن سے کوئی ہاشمی خلیفہ پیدا نہیں ہوا، لیکن زہری کہتے ہیں کہ ان تینوں خلیفوں کی خلافت کو بقاء واستحکام نصیب نہیں ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تمام امور خلافت میں اضطراب وانتشار رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے جرعہ (گھونٹ) شہادت نوش فرمایا اور امام حسن مجتبیٰؓ اور امین دونوں خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کے امور خانہ داری کے متعلق یوں طے فرمایا تھا کہ جھاڑو، برتن، چکی، روٹی اور گھر کے دوسرے کام فاطمۃ الزہراءؓ کیا کریں اور باہر کے کام مثلاً بازار لانا، اونٹ کو پانی پلانا علی المرتضیٰؓ یا ان کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد انجام دیں۔ (مدارج) دوسری روایت میں حضرت علیؓ نے اپنی والدہ سے کہا تھا کہ میں پانی بھروں گا اور

باہر کا کام انجام دوں گا اور فاطمہؓ بنت رسول اللہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (اسد الغابہ)

امام محی الدین نوویؒ شارح مسلم نے اس حدیث کی شرح میں جس میں حضرت اسماء ذات النطاقین بنت ابوبکر صدیقؓ کا سر پر کھجور کی گٹھلیاں اٹھا کر لانے کا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ روٹی پکانا، کپڑے دھونا، جانوروں کی خدمت کرنا وغیرہ امور خانہ داری ایسے کام ہیں جو مروت اور حسن معاشرت میں داخل ہیں اور عورتیں قدیم الایام سے اپنے شوہروں کے یہ کام کرتی آئی ہیں لیکن یہ کام عورت پر واجب نہیں ہیں۔ اس کا جی چاہے تو کرے ورنہ نہ کرے۔ عورت پر صرف دو کام واجب ہیں۔ ایک یہ کہ بلانے پر انکار نہ کرے۔ دوسرے شوہر کے گھر میں رہے، لیکن ظاہر ہے کہ جو عورتیں گھر کا کام کاج کرتی ہیں وہ بہت بڑا سرمایۂ آخرت جمع کر رہی ہیں اور جو ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہتی ہیں، وہ خیر کثیر اور بہت بڑے ثواب آخرت سے محروم ہیں۔ مسلم خواتین کو خواہ وہ کتنی ہی آسودہ حال اور متمول کیوں نہ ہوں حضرت خاتون جنتؓ کے اسوۂ خیر پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر متمول خاندانوں کی عورتیں کام کاج سے پہلو تہی کریں تو چنداں مضائقہ نہیں، لیکن اگر کسی غریب گھرانے کی عورت یہ خیال کر کے کام کاج سے دست بردار رہے کہ یہ کام شرعاً مجھ پر واجب نہیں تو خانماں بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بہر حال مردوں کو عورتوں کا ممنون احسان ہونا چاہئے کہ وہ ان کے گھر کے کام کاج جو ان پر شرعاً واجب ولازم نہیں، کر دیتی ہیں۔ بعض جاہل مرد کبھی ہنڈیا میں نمک مرچ کم وبیش ہو جانے پر بیوی کو پیٹنے ڈانٹنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ سخت ظالم ہیں۔

نقل مکانی

چونکہ یہ گھر جس میں حضرت زہراءؓ رخصت ہو کر گئی تھیں آستان نبوت سے کسی قدر دور تھا اور تنگ ہونے کی وجہ سے گزارا بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ پیغمبر ﷺ نے حضرت زہراءؓ سے فرمایا میری خواہش ہے کہ تمہیں اپنے قریب بلالوں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے چند مکانات وہ مفلوک الحال مہاجروں کے قیام کے لئے آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے۔ ان کا ایک مکان مسجد نبوی کے قرب میں بھی واقع تھا۔ حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! حارثہؓ سے ایک مکان ہمیں بھی دلوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان سے کہاں تک لیتے جائیں۔ اب تو ان

سے کہتے مجھے شرم آتی ہے۔ حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے اور التماس کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ صاحبزادی کو کسی قریب مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں۔ میرا ایک مکان آپ ﷺ کے قرب میں موجود ہے۔ آپ ﷺ بلا تأمل حضرت فاطمہؓ کو بلا لیجئے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب حضور ہی کا ہے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! خدائے واحد کی قسم میرا جو مکاں آپ ﷺ لیتے ہیں مجھے اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے انہیں دعا دی۔ انہوں نے جلدی سے مکان خالی کرادیا اور جناب بتولؓ اس میں چلی آئیں۔ (ابن سعد)

حسن مجتبیٰؓ کی ولادت

حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد جن ایام میں آنحضرت ﷺ نے محترمہ سیدہ ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں دیا انہی دنوں رمضان ۳ھ کے وسط میں سبط رسول اللہ ونوردیدۂ مصطفیٰ، امام مسموم حضرت حسن مجتبیٰؓ اس محنت سرائے دنیا میں قدوم فرما ہوئے۔

فصل:۹ ...... حضرت علی المرتضیٰؓ کی ناداری

حضرت علی المرتضیٰؓ کی مستقل خانہ داری اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ انہوں نے سیدۃ النساءؓ کے ساتھ ایک علیحدہ مسکن میں بود و باش اختیار کی۔ ہجرت سے پہلے اور شاید مدینہ منورہ میں شادی سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ ہی کے ساتھ رہتے تھے اور فکر معاش سے آزاد تھے۔ جناب سیدہ جنتؓ جس کا شانہ زہد سے رخصت ہوکر گئی تھیں۔ گو وہاں بھی فقر و فاقہ میں بسر اوقات ہوتی تھی۔ تاہم وہاں کا افلاس اختیاری تھا۔ کیونکہ آستان نبوت میں جو کچھ آتا تھا وہ اسی دن رفاع عام اور حاجت روائی خلق پر اٹھ جاتا تھا۔ اس لئے اہل بیت اطہارؓ ہر روز نئے سرے سے تہی دست ہو جاتے تھے لیکن جناب زہراءؓ نے جس مسکن میں اب قدم رنجہ فرمایا تھا۔ یہاں حقیقی معنی میں افلاس اور بے مائیگی کی عملداری تھی۔ کیونکہ حضرت علیؓ سیدۃ النساءؓ کی زندگی میں اذخر گھاس کی تجارت کرتے تھے۔ جس میں بمشکل گزر بسر ہوتا تھا۔ اپنی ناداری کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا ﷺ کی صاحبزادی (دلہن کی حیثیت سے) میرے پاس روانہ کی گئیں تو اس رات بکری کی ایک کھال کے سوا ہمارے پاس اور کوئی بستر نہ تھا۔ (ابن ماجہ)

ایک راوی نے حضرت علیؓ کی بے بضاعتی کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ جب علیؓ اور سیدہ جنتؓ رات کو آرام کرنے کے لئے بستر پر دراز ہوئے تو اوڑھنے کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب دونوں پاؤں ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتے اور سر ڈھانکنے لگتے تو پیر کھل جاتے۔ (ابن سعد)

یہ حالت تو شادی کے وقت تھی لیکن اس کے بعد بھی یہاں فقر وفاقہ کے قدم مضبوطی سے جمے رہے۔ البتہ جب کبھی حضرت علیؓ کو کسی غزوہ سے کچھ مال غنیمت حاصل ہو جاتا تو عارضی سی آسودگی ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد پھر اسی معتاد ناداری اور تہی دستی کا دور دورہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت فاطمہؓ ہمیشہ ضیق عیش میں مبتلا رہیں۔ ابن السراج نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی طبیعت علیل ہوئی اور سرور کائنات ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: بیٹی! تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ مجھے سخت درد ہے اور ایک تکلیف یہ ہے کہ فاقہ زدہ ہوں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم نساء العالمین کی سردار ہو؟ انہوں نے کہا: ابا جان! مریم علیہا السلام بنت عمران کیا ہوئیں؟ فرمایا: مریم علیہا السلام اپنے زمانہ کی سیدۃ النساء تھیں اور تم موجودہ عالم کی سیدۃ النساء ہو اور میں نے تجھے ایسے شخص کی زوجیت میں دیا ہے جو دنیا اور آخرت کا سردار ہے۔ (استیعاب)

اور علی بن ہاشم نے عمران بن حصینؓ سے اور عبداللہؓ نے جابر بن سمرۃؓ سے روایت کی ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زہراءؓ علیل ہوئیں۔ رسول اکرم ﷺ ان کی عیادت کو چلے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے دروازے پر پہنچ کر سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت فاطمہؓ نے اجازت دی۔ آپ ﷺ نے پوچھا میرے ساتھی بھی آ جائیں۔ انہوں نے دریافت کیا: آپ ﷺ کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: فلاں فلاں ہیں۔ انہوں نے گزارش کی یا نبی اللہ! اس وقت میرے پاس ایک چھوٹی سی عباء کے سوا اور کچھ نہیں جس سے میں ستر پوشی کر سکوں۔ آپ نے دروازہ کی پچھلی جانب سے ایک چادر پھینک دی اور فرمایا کہ یہ اوڑھ لو۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اچھی طرح چھپا لیا تو آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور مزاج پرسی فرمائی۔ انہوں نے اپنی بیماری کا حال بیان کر کے کہا کہ اس کے علاوہ گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تم اس

بات پر مطمئن نہیں ہو کہ تم نساء العالمین کی سردار ہو؟ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کی سردار تھیں اور تم اپنے زمانہ کی سیدۃ النساءؓ ہو۔ ہم لوگ آپس میں کہنے لگے کہ محبوب رب العالمین کی صاحبزادی اس حال میں ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسی کے ساتھ فاطمہؓ قیامت کے دن سیدۃ النساء بھی تو ہوں گی۔ (مجمع الزوائد)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ دونوں صاحبزادے (حسنؓ اور حسینؓ جو ہنوز کمسن بچے تھے) رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: یہ بچے کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ باہر نکلے۔ بازار میں ایک دینار پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر حضرت فاطمہؓ کے پاس لے آئے اور ان سے دینار ملنے کا حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ فلاں یہودی کی دکان پر جا کر آٹا لے آؤ۔ حضرت علیؓ نے جا کر آٹا خریدا۔ یہودی (جو پیغمبر خدا ﷺ سے حسن اعتقاد رکھتا تھا) کہنے لگا کیوں جناب! آپ ان صاحب کے داماد ہیں جو مدعی نبوت ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا: ہاں! یہودی نے کہا لیجئے اپنا دینار اور آٹا بھی لے جایئے۔ حضرت علیؓ نے قیمت دینے پر اصرار کیا لیکن یہودی نے قیمت لینا کسی طرح منظور نہ کیا۔ حضرت علیؓ آٹا لے کر گھر آئے اور حضرت فاطمہؓ سے یہودی کے قیمت نہ لینے کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: اچھا اب قصاب کے پاس جا کر ایک درہم کا گوشت لایئے۔ حضرت علیؓ قصاب کے پاس گئے اور دینار کو ایک درہم کے عوض میں رہن رکھ کر گوشت لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کھانا تیار کیا اور رسول خدا ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ جناب سیدہؓ نے کہا کہ میں نے کھانا تیار کیا ہے لیکن میں پہلے اس کی کیفیت بیان کرتی ہوں۔ اگر یہ کھانا حلال ہے تو ہم بھی کھائیں اور آپ ﷺ بھی تناول فرمایئے اور دینار ملنے اور آٹا اور گوشت آنے کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھالو۔ جب سب کھا رہے تھے تو ایک لڑکا پکارنے لگا کہ میرا دینار گم ہو گیا ہے جس کسی نے اٹھایا ہو میں خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر اس سے ملتجی ہوں کہ مجھے واپس دے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا تمہارا دینار کہاں گم ہوا؟ بولا بازار میں فلاں مقام پر۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم قصاب کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر کہو کہ وہ دینار واپس دے دے اور درہم میں ادا کر دوں گا۔ قصاب نے دینار دے دیا اور وہ لڑکے کو دے دیا گیا۔ (ابوداود)

اسی طرح امام احمدؒ نے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے شرکت نماز میں دیر کر دی۔ نبی ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے التماس کی: یا رسول اللہ! میں جناب فاطمہؓ کے پاس سے گزرا تھا۔ اس وقت وہ آٹا پیس رہی تھیں اور لڑکا (حسن مجتبیٰؓ) رو رہا تھا۔ میں نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں لڑکے کو سنبھالوں تو انہوں نے فرمایا کہ لڑکا تمہاری نسبت مجھ سے زیادہ مانوس ہے۔ اس لئے مجھے آنے میں دیر ہوئی۔ حضرت بلالؓ کی اس گزارش کا مقصد یہ تھا کہ میں حضرت فاطمہؓ کے لئے آٹا پیسنے لگ گیا تھا۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت سیدہؓ اپنی ناداری پر ملول تھیں۔ چنانچہ خطیب اور طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے شادی کے بعد جناب سیدہؓ کو اشک بار دیکھا اور پوچھا بیٹی کیوں روتی ہو؟ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مجھے ایسے شخص سے بیاہ دیا ہے جو بالکل تہی دست ہے اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ فرمایا: بیٹی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے جو دنیا میں بھی صالح ہے اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہے۔ (مدارج)

معلوم نہیں اس کا اسناد صحیح ہے یا نہیں لیکن قرینہ یہ ہے کہ یہ بیان جو درایۃً غلط ہے۔ روایت بھی غیر صحیح ہو کیونکہ اوّل تو نکاح سے پیشتر حضرت علیؓ کی بے مائیگی اور تہی دستی جناب سیدہؓ سے مخفی نہیں تھی۔ دوسرے یہ امر سخت بعید اور خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے کہ روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم ﷺ کی روحانی تعلیمات اور آپ ﷺ کے شرف فیض نے جگر گوشہ رسول مقبول ﷺ کے دل میں زخارف دنیوی کی محبت اور قدر اس درجہ باقی رہنے دی ہو کہ وہ اس کے فقدان پر اشک بار ہوئی ہوں۔ چنانچہ اسی معنی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ایک روایت مروی ہے جسے امام ذہبیؒ نے موضوع یعنی بناوٹی بتایا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراءؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے علی بن ابی طالبؓ سے میرا نکاح کیا ہے جو ایک فقیر بے نوا اور مال و زر سے تہی دست ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہؓ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ حق تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف التفات فرمایا تو دو شخصوں کو منتخب فرمالیا۔ ایک تمہارے باپ کو اور دوسرا تمہارے شوہر کو۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

لیکن امام ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ایک راوی سریج بن یونس کی من گھڑت ہے اور اصل یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کو اپنے اہل بیت اور اولاد کے لئے آسودگی اور فارغ

الیابالی پسند ہی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ حضرت زہراؓ کے ہاں کوئی زیور یا سامان آرائش دیکھتے تو آپ کو ناگوار ہوتا۔ ثوبانؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ جناب فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ اس وقت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ایک ہار تھا۔ انہوں نے التماس کی کہ یہ مجھے ابوالحسن (حضرت علیؓ) نے ہدیہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے فاطمہؓ! کیا تمہیں یہ امر پسند ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ فاطمہؓ بنت محمد ﷺ کے گلے میں آگ کا سلسلہ (کڑا) ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے اس ہار کو فروخت کر دیا اور اس رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا الحمدللہ! حق تعالیٰ نے فاطمہؓ کو آگ سے نجات بخشی۔ (رواہ الحاکم فی مستدرک)

دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں فاطمہؓ! کیا تمہیں لوگوں کی زبانی یہ سننا پسند ہے کہ رسول اللہ کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے؟ (نسائی)

آنحضرت ﷺ کو تکلفات اور ظاہری زیبائش سے جس درجہ ناگواری تھی۔ اس کو اس واقعہ پر قیاس کیا جا سکتا ہے ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا تیار کر کے ان کے گھر بھجوا دیا۔ کھانے کے وقت حضرت سیدہؓ کہنے لگیں، اگر رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہوتے تو خوب ہوتا۔ حضرت علیؓ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر شریک طعام ہونے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر کی دیواروں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ واپس چلے آئے۔ حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ بات پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو۔ (ابوداؤد)

معلوم ہو کہ حضرت ثوبانؓ کی روایت میں سونے کے ہار کو جو آگ کے ہار سے تعبیر کیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کو سونے کا زیور استعمال کرنا روا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہادی انام ﷺ دنیا میں اس طرح ملوث و منہمک ہونے کو قطعاً گوارا نہ فرماتے تھے کہ انسان اپنے خالق و رازق کی عبادت اور سرمایہ آخرت کی طرف سے غافل ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ اپنے اہل بیتؓ کو دنیوی ناز و نعم اور تکلفات سے روکتے تھے اور دنیا کی بے ثباتی اور مال و دولت کی ہیچ میرزی ہمیشہ یاد دلاتے رہتے تھے۔

حضرت علیؓ کی ناداری کا یہ عالم تھا کہ جناب سیدہ کو بسا اوقات فاقہ سے سابقہ پڑتا

تھا لیکن ایک روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور فخر بنی آدم ﷺ نے ایک مرتبہ ان کے لئے دعا فرمائی۔ جس کے بعد فاقہ کشی کی کبھی نوبت نہ آئی۔ چنانچہ عمران بن حصینؓ صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں فاطمہؓ آئیں اور رسول الثقلین ﷺ کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: فاطمہؓ! قریب آجاؤ، وہ قریب ہوگئیں۔ میں نے دیکھا کہ جناب سیدہؓ کا چہرۂ مبارک (بھوک کے مارے) پیلا پڑ گیا ہے اور خون کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان پر رکھ دیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی۔ اے بھوک سے سیری بخشنے والے! اے قاضی الحاجت! اے پستی کو بلندی سے بدلنے والے! فاطمہؓ بنت محمد ﷺ کو بھوکا نہ ہونے دے۔ معاً میں نے دیکھا کہ فاقہ کشی کی زردی ان کے چہرۂ سے غائب ہوگئی ہے اور خون جھلکنے لگا ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ میں نے جناب سیدہؓ سے اس متعلق پوچھا تو فرمانے لگیں کہ اس دعا کے بعد مجھے فاقہ سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

فصل: ۱۰......رسول اللہ ﷺ سے غلام عطا کئے جانے کی درخواست

گو ہجرت سے کچھ عرصہ بعد فتوحات اسلامیہ کی کثرت مدینہ طیبہ پر سیم وزر کا مینہ برسا رہی تھی۔ تاہم حضور سید انام ﷺ سے اپنی ذات اقدس کی طرح جناب سیدہؓ کو بھی دنیاوی آسائشوں کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ آپ ﷺ کو اپنی ساری اولاد میں انہی سے زیادہ محبت تھی۔ لیکن وہ اس محبت سے کبھی کوئی دنیاوی نفع نہ حاصل کرسکیں۔ بلکہ آپ ﷺ اس معاملہ میں ان پر ہمیشہ غیروں کو ترجیح دیتے رہے۔

حضرت سیدۃ النساءؓ کی حالت یہ تھی کہ ہر روز چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑے رہتے تھے۔ پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینہ مبارک میں درد ہوگیا تھا، اور گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے، برتن مانجتے اور چولہا سلگاتے سلگاتے کپڑے سیاہ ہوجاتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس تکلیف کے ازالہ کے لئے جناب سیدۃ سلام اللہ علیہا نے خواجۂ دو جہاں ﷺ سے ایک غلام طلب فرمایا۔ اس کے متعلق متعدد روایتیں کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں اختلاف بیان پایا جاتا ہے۔ لیکن احتمال ہے کہ حضرت سیدہؓ نے دو مرتبہ غلام حاصل کرنے کی کوشش فرمائی ہو۔ ایسی حالت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ مروی ہے کہ سرور عالم ﷺ

کے پاس کسی لڑائی سے قیدی آئے۔ حضرت علیؓ جناب زہراؓ سے کہنے لگے کہ آج رسول خداﷺ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ کاش تم اپنے والد محترم کے پاس جا کر ایک قیدی مانگ لیتیں۔ (ابوداؤد)

حضرت فاطمہؓ آستان مبارک میں حاضر ہوئیں۔ لیکن آنحضرتﷺ تشریف فرما نہ تھے۔ اس لئے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے اظہار مقصد کر کے واپس چلی آئیں۔ جب آنحضرتﷺ حریم قدس میں تشریف فرما ہوئے تو ام المومنینؓ نے گزارش کی کہ جناب فاطمہؓ غلام طلب کرنے آئی تھیں۔ یہ سن کر آپﷺ صاجزادیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت گھر والے بستر خواب پر دراز ہو چکے تھے۔ سب اٹھنے لگے، لیکن آپﷺ نے فرمایا کہ نہیں اسی طرح لیٹے رہو۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتﷺ ہمارے درمیان اس طرح بیٹھ گئے کہ میں اپنی چھاتی پر آپﷺ کے قدموں کی سردی محسوس کرنے لگا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جو تمہارے حق میں لونڈی غلام سے کہیں بہتر ہوگی۔ ہر رات سونے کے وقت ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرو۔ (بخاری)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب سے آنحضرتﷺ نے ہمیں یہ کلمے سکھائے، میں نے ان کو کبھی ترک نہیں کیا۔ ابن الکواء نے امیر المومنین علی المرتضیٰؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ کلمے اس رات بھی نہیں چھوڑے جب کہ اگلے روز جنگ صفین واقع ہوئی؟ تو فرمایا: ہاں! اس رات بھی نہیں۔ (اصابہ)

ایک اور روایت میں ہے (اور شائد یہ دوسری دفعہ کا واقعہ ہو) کہ جناب سیدہؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس چند آدمی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن پھر گئیں۔ پیغمبر خداﷺ نے فرمایا بیٹی! کیا کام ہے؟ وہ خود تو خاموش رہیں لیکن حضرت علیؓ جو اس وقت مجلس نبوی میں حاضر تھے۔ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ اب حضورﷺ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے ان کو صلاح دی تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک قیدی کے لئے درخواست کریں۔ تا کہ ان کو محنت و مشقت سے رہائی ہو۔ آپﷺ نے یہ سن کر اپنے لخت

جگرؓ سے فرمایا کہ تم سے زیادہ وہ لڑکیاں غلاموں کی مستحق ہیں جن کے باپ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ (ابوداؤد)

رسم غلامی

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رحمت عالم ﷺ نے رسم غلامی کے مٹانے کے بجائے اس کو جاری کیوں رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ آنحضرت ﷺ کا مطمح نظر دنیا سے رسم غلامی کا مٹانا تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ اسیران جنگ کے غلام بنانے کی رسم دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام میں شروع سے چلی آتی تھی اور مسلمان بھی غیر مسلموں کے ہاتھوں برابر اسیر ہو رہے تھے۔ اس بنا پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاءؓ دوسری قوموں کے اتحاد عمل کے بغیر اس رسم قبیح کے فوری انسداد پر قوت نہ پا سکے تاہم آئندہ چل کر صدیوں کے بعد دنیا سے رسم غلامی کا جو قلع قمع ہوا وہ بھی اسلامی تعلیمات کی برکت اور دین حق کے فطری قوانین کی فتح تھی۔ چنانچہ راقم الحروف کتاب ''سیرت کبریٰ'' کی دوسری جلد میں اس مسئلہ پر شرح وبسط سے تبصرہ کر چکا ہے۔

عہد نبوت یا خلافت راشدہ کے زمن سعادت میں بلاد اسلامیہ میں کوئی قید خانے نہ تھے۔ اس لئے اسیران جنگ مسلم گھرانوں میں رکھے جاتے تھے۔ وہ اہل ایمان کے عقائد واعمال، ان کی نیک کرداری، صدق بیانی، ہمدردی بنی نوع، دیانت داری، عفو، احسان، صلہ رحم حسن جوار، اعانت مظلوم، حفظ غیب، تواضع، حلم، وقار اور دوسرے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر نہایت متأثر ہوتے اور بہت جلد دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ پس یہ اسلامی گھرانے ان کے لئے قید خانے نہ تھے۔ بلکہ درحقیقت تربیت گاہیں تھیں جہاں اسلامی اخلاق واعمال کی برتری انہیں ہر وقت مشرف باسلام ہونے کی طرف رہنمائی کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ عہد نبوی میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی غیر مسلم کچھ مدت کسی مسلمان کے گھر میں قیدی کی حیثیت سے رہا ہو اور اس کو مشرف باسلام ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوئی ہو۔

فصل: ۱۱ ...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی کھڑکی کے سوا تمام کھڑکیاں بند کر دینے کا فرمان نبوی

تمام امت میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ سرور انبیاء ﷺ نے

ان تمام دروازوں کے بند کردینے کا حکم دے دیا جو صحابہ کرامؓ کے گھروں سے مسجد نبوی کے اردگرد تھے۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کے اس دروازہ کو بحال رکھا جو مسجد نبوی میں کھلتا تھا۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱...... حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ رسول خداﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ یہ تمام دروازے بند کردیئے جائیں جو مسجد نبوی میں آتے ہیں۔ البتہ آپﷺ نے علیؓ کے دروازے کو کھلا چھوڑ دیا۔ اس کو احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا اسناد قوی ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے بھی اوسط میں درج کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن طبرانی نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ جن حضرات کے دروازے بند کئے گئے۔ انہوں نے التماس کی یارسول اللہﷺ! آپﷺ نے ہمارے دروازے بند کردیئے؟ آپﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی سے بند نہیں کئے بلکہ رب العالمین نے ہی بند کردیئے ہیں۔

۲...... اور حضرت زید بن ارقمؓ کا بیان ہے کہ بعض صحابہؓ کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ آنحضرتﷺ نے حکم دیا کہ باب علیؓ کے سوا تمام دروازے بند کردیئے جائیں۔ لوگوں نے اس کے متعلق حضور سرورانامﷺ سے گفتگو کی۔ آپﷺ نے فرمایا کہ بخدا میں نے بذات خود نہ پہلے ان کے کھولنے کی اجازت دی تھی اور نہ اب ان کے بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ مجھے جس بات کا (من جانب اللہ) حکم ہوا اسی کی متابعت کی ہے۔ اس حدیث کو احمد، نسائی اور حاکم نے روایت کیا کہ شیخ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے رجال بھی ثقہ ہیں۔

۳...... اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خداﷺ نے ایوان مسجد کے بند کرنے کا حکم دیا۔ پس علیؓ کے دروازہ کے سوا تمام دروازے بند کردیئے گئے۔ چونکہ صحن مسجد کے سوا ان کی کوئی اور گزرگاہ نہ تھی۔ اس لئے حضرت علیؓ حالت غسل میں بھی مسجد میں داخل ہوجاتے تھے۔ اس کو امام احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حسب بیان شیخ ابن حجرؒ، ان دونوں کے رجال بھی ثقہ ہیں۔

۴...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم عہد نبوی میں کہا کرتے تھے کہ رسول خداﷺ تمام لوگوں سے بہتر و برتر ہیں۔ اور آپﷺ کے بعد ابوبکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمرؓ کو فضیلت و برتری حاصل ہے اور علی بن ابو طالبؓ کو تین ایسی فضیلتیں حاصل ہیں کہ

مجھے ان میں سے ایک بھی میسر نہیں اور تینوں فضیلتیں ایسی ممتاز ہیں جو میری نظر میں سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔رسول خداﷺ نے علیؓ سے اپنی بیٹی بیاہ دی جس سے ان کی اولاد ہوئی۔علیؓ کے دروازے کے سوا مسجد نبوی میں آنے کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے اور حضرت رسول الثقلینﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن انہی کو جھنڈا عطا فرمایا۔اس حدیث کی امام احمدؒ نے تخریج کی اور شیخ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس کے اسناد حسن ہیں۔

۵...... اور نسائیؒ نے علاء بن عرار کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ مجھ سے علیؓ اور عثمانؓ کی فضیلت بیان کر دتو انہوں نے متذکرہ صدر حدیث بیان کی اور فرمایا کہ تمہیں علیؓ کے متعلق کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں صرف یہی دیکھ لینا کافی ہے کہ انہیں سرور انبیاءﷺ کا کس درجہ قرب حاصل تھا کہ ہم سب کے دروازے بند ہو گئے لیکن ان کا دروازہ جو مسجد میں آنے کا تھا کھلا چھوڑ دیا گیا۔اس روایت کے راوی صحیح رجال ہیں۔ البتہ ایک راوی علاء بن عرار پر کچھ شبہ کیا گیا ہے لیکن یحیٰی بن معین وغیرہ محدثین نے اس کی بھی توثیق کی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ

شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیثیں ایک دوسری کو تقویت دے رہی ہیں اور مذکورۂ بالا طرق میں سے ہر ایک طریق قابل حجت اور صالح الاحتجاج ہے، لیکن علامہ ابن جوزیؒ نے مؤخر الذکر حدیث کو موضوعات میں داخل کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث روافض کی وضع کی ہوئی ہے۔رافضیوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دروازہ کھلا رکھا جانے کی صحیح حدیث نبوی دیکھی تو انہوں نے اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی یہ فضیلت تراش لی۔ لیکن اس مسئلہ میں علامہ ابن جوزیؒ نے سخت ٹھوکر کھائی۔انہوں نے محض ایک واہمہ کی بنا پر صحیح حدیثوں کو رد کر دیا ہے۔حالانکہ دونوں واقعوں میں جمع و تطبیق ممکن تھی۔ (فتح الباری)

یاد رہے کہ جس طرح عوام میں حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی میں اپنے گھر کے دروازے سے آمد ورفت کے مجاز تھے۔اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی انجام کار اس کی اجازت مل گئی تھی۔ چنانچہ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرمﷺ نے فرمایا کہ اپنی صحت ورفاقت سے فائدہ پہنچا کر اور میرے لئے اپنا مال خرچ کر کے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔اور اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو خلیل (جانی دوست)

بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت ومؤدت باہم موجود ہے۔ مسجد میں اس کھڑکی کے سوا کوئی کھڑکی باقی نہ رہنے دی جائے جو ابوبکرؓ کی دیوار میں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں اپنے رب جلیل کے سوا کسی کو خلیل بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو ضرور بناتا۔ (بخاری ومسلم)

اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ کا وصال ہوا سر میں پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان ومال خرچ کر کے ابوبکرؓ سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہو۔ اور اگر میں انسانوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ بناتا، لیکن خلت اسلام سب سے افضل ہے۔ اس مسجد میں آنے کی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ سوائے اس کھڑکی کے جو ابوبکرؓ کے گھر میں ہے۔ حضرت عباسؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ابوبکرؓ کا دروازہ کھلوا دیا اور دوسرے لوگوں کے دروازے بند کر دیئے؟ فرمایا نہ میں نے اپنی مرضی سے بند کرائے اور نہ اپنی مرضی سے کھلوائے۔ (ابن سعد)

خطابی، ابن بطال اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خصوصیت بالکل عیاں ہے اور اس میں ان کے استحقاق خلافت کی طرف کھلا اشارہ ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ حکم حیات النبی ﷺ کے آخری ایام میں اس وقت دیا گیا جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص امامت نہ کرے اور بعض علماء کے نزدیک باب یعنی دروازے سے خلافت کا کنایہ ہے اور مسدود کرنے سے یہ مراد ہے کہ ابوبکرؓ کے سوا طلب خلافت میں ہر شخص ناکام رہے گا۔ گویا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی شخص خلافت کا طلب گار نہ ہو۔ عمر بن شیبہ نے کتاب ''اخبار المدینہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گھر جس کی کھڑکی مسجد کی طرف کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا انجام کار بعض لوگ ایک وفد کی شکل میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ یہ مکان ان کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے فروخت کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ام المومنین حفصہؓ نے یہ مکان چار ہزار درہم میں خرید لیا۔ اس کے بعد جب عہد عثمانی میں مسجد نبوی کی توسیع ہونے لگی تو حضرت حفصہؓ سے درخواست کی گئی کہ وہ یہ مکان مسجد میں شامل کرنے کے لئے دے دیں لیکن ام المومنینؓ نے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کے دے ڈالنے سے میرے لئے مسجد میں جانے کا کوئی راستہ نہ رہے گا۔ حضرت عثمان

ذوالنورینؓ نے فرمایا کہ ہم آپ کو اس سے بھی کشادہ مکان دے کر آپ کے لئے مسجد نبوی میں جانے کا راستہ بھی بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ راضی ہو گئیں اور یہ مکان مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ (فتح الباری)

تطبیق روایات

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان کی کھڑکی سوا تمام دروازوں کے بند کر دینے کا جو فرمان نبوی صادر ہوا اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وصال نبوی سے تھوڑا عرصہ پہلے حضرت علیؓ کا دروازہ بھی انجام کار بند کر دیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان کی کھڑکی کے کھلا رہنے کا فرمان نبوی حکم عام تھا جس میں کوئی استثناء نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے جناب سیدہؓ کے حین حیات مختلف مکانات تبدیل کئے جس میں سے آخری قیام گاہ ام المؤمنین عائشہؓ کے حجرہ کے عقب میں تھا جو آخر کار مسجد نبوی سے ملحق ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفہ ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جو ان ایام میں مدینہ منورہ کے عامل تھے۔ حکم بھیجا کہ مسجد کے قرب وجوار میں جس قدر مکان ہیں ان کو خرید کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ اس وقت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے اس گھر میں حسن مثنیٰ رحمہ اللہ بن حضرت حسن مجتبیٰؓ قیام فرما تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مکان کے عوض میں سات ہزار دینار جو اس زمانہ میں ایک طلائی سکہ تھا، پیش کئے لیکن حضرت حسن مثنیٰ اور ان کی زوجہ مطہرہ فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؓ نے مکان چھوڑنا کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ولید کو خط لکھ بھیجا کہ انہیں رقم لینے سے انکار ہے۔ خلیفہ ولید نے بھیجا کہ جس طرح بن پڑے انہیں رقم لینے پر راضی کرو اور اگر کسی طرح نہ مانیں تو ان کو جبراً گھر سے نکال دو۔ اس بناء پر حضرت حسن مثنیٰ مجبوراً راضی ہو گئے اور مخدرات اہل بیت کو لے کر مدینہ منورہ سے باہر کسی موضع میں چلے گئے۔ (جذب القلوب)

فصل:۱۲ ...... احد کے میدان جنگ کو روانگی

غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح بعض انصاری نوجوانوں کی غلطی اور سہل انگاری سے مبدل بہ ہزیمت ہو گئی تھی۔ حضور خیر البشر ﷺ کے مجروح ہونے پر اعداء نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ نے شربت شہادت نوش فرمایا۔ گو اس وقت بڑی پیغمبر زادیاں حضرت زینب اور ام کلثوم سلام اللہ علیہما بھی مدینہ منورہ میں اقامت فرما تھیں لیکن ہم صرف چھوٹی صاحبزادی

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دیکھتے ہیں کہ وہ میدان جنگ میں پہنچ کر اپنے والد معظم کے زخم دھو رہی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ احد میں لشکر اسلام نے قلت تعداد کے باوجود ابتداءً غنیم کو شکست دے کر بھگا دیا لیکن اس فتح کے بعد عقب کے محافظ تیر انداز دستے کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے اور کفر کی حمایت میں اسلام کے خلاف رزم خواہ تھے پھر یکا یک پیچھے سے آ کر مسلمانوں پر ٹوٹ گئے۔ اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس اثناء میں قریش کا ایک نامور جنگ آزما عبداللہ بن قمہ گھوڑا اڑاتا ہوا سرور انبیاء علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا اور بے تحاشا چہرۂ مبارک پر تلوار ماردی۔ اس کے صدمہ سے مغفر (خود) کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں اتر گئیں جس سے آپ ﷺ کو سخت تکلیف تھی۔ عاشق رسول ﷺ امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ان کو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا۔ گو ان کڑیوں سے ان کے دو دانت نکل پڑے۔ (ابن سعد)

لیکن اپنے آقا و مولیٰ علیہ السلام کی خدمت گزاری میں دو دانتوں کی کیا حقیقت تھی۔ اگر جان بھی قربان ہو جاتی تو عین آرزو اور سراپا سعادت تھی۔ اس معرکہ میں آپ ﷺ کے دو نچلے دانت بھی شہید ہوئے۔ ہونٹ مبارک چر گیا۔ (تاریخ ابن جریر طبری)

آپ ﷺ کے رخسار مبارک اور ناک پر زخم آئے۔ گھٹنا بھی چھل گیا۔ (فتح الباری)

اور آپ ﷺ ایک خندق میں گر گئے۔ (بخاری)

عبدالرزاق نے زہریؒ سے روایت کی ہے کہ اہل شرک نے حضور سید المرسلین ﷺ کے روئے مبارک پر شمشیر کے ستر وار کئے لیکن حافظ حقیقی نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے روئے منور سے خون جاری تھا۔ آپ ﷺ خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیونکر فلاں پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ محض اس بناء پر خون سے رنگین کیا کہ وہ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتا تھا۔ (بخاری)

کفار نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ سفر آخرت کر گئے۔ (ابن سعد)

میدان جنگ سے بعض مسلمانوں کے فرار کی علت یہی متوحش خبر تھی۔ جب مشرکوں کا زور کم ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ اور چند دوسرے صحابہؓ آپ ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے۔ اس اثناء میں حضور ﷺ کے حادثۂ شہادت کی اطلاع مدینہ طیبہ پہنچی تو محبت شعار نہایت پریشانی کے عالم میں اٹھ دوڑے۔ جناب فاطمۃ الزہراؓ نے آ کر دیکھا تو ابھی تک چہرہ منور

سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ ڈھال میں پانی لائے اور جناب خاتون جنت نے زخم دھوئے۔ لیکن چہرۂ انور کا خون پھر بھی بند نہ ہوا۔ آخر جناب سیدہؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا تو خون تھما۔ (بخاری)

طبرانی نے بروایت ابو حازم اس المناک واقعہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ جب جنگ احد کے بعد مشرک لوٹ گئے تو بعض مسلم خواتین مجروح صحابہ کرامؓ کی خبر گیری کے لئے مدینہ منورہ سے چلیں۔ انہی خواتین میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ بھی تھیں۔ جب انہوں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگالیا اور آپ ﷺ کے زخم دھونے لگیں لیکن پانی سے خون میں کچھ کمی نہ ہوتی تھی۔ آخر چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر چھڑکی تو خون بند ہو گیا۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر قہر نازل کرے جنہوں نے اپنے رسول کا چہرہ خون آلود کیا۔ اس سے تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ دعا فرمانے لگے۔ الٰہی میری قوم کو بخش دے۔ کیونکہ وہ (اس فعل) میں (حقیقت حال سے) بے خبر ہے۔ (فتح الباری)

ابن عائذ نے یزید بن جابر سے روایت کی ہے کہ ابن قمۂ حضور انور ﷺ پر تلوار کا وار کرتے وقت بولا یہ میری طرف سے لو اور میں ابن قمۂ ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اقماک اللہ'' (اللہ تجھے رسوا کرے) جب وہ احد سے اپنے قبیلہ میں واپس گیا تو اپنی بکریاں دیکھنے کے لئے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا۔ وہاں ایک قوی ہیکل بکرے نے زور سے سینگ مار دیئے۔ چنانچہ بلندی کوہ سے لڑھکتا ہوا زمین پر پہنچا اور پاش پاش ہو کر نذر اجل ہو گیا۔ (فتح الباری)

فصل: ۱۳......شرکت مباہلہ کے لئے مسجد نبوی میں تشریف آوری

دو شخص یا دو جماعتیں آپس میں نزاع رکھتی ہوں اور ایک جگہ جمع ہو کر خدائے احکم الحاکمین کی طرف رجوع کریں اور بالحاح تمام بارگاہ رب العزت میں دعا کریں کہ ہم میں سے جو فریق باطل پر ہو، اس پر تیری لعنت نازل ہو اور وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ یہ تو معمولی قسم کا مباہلہ ہے لیکن زیادہ اہتمام و مبالغہ کی صورت یہ ہے کہ جانبین اپنے اپنے اہل و عیال کو بھی لے آئیں اور دونوں گھرانے ایک دوسرے کے خلاف رب قدیر کی مدد مانگیں۔ بنو نجران نصاریٰ کا ایک قبیلہ تھا اور وہ مقام جہاں پر یہ قبیلہ آباد تھا۔ عرب میں نصرانیت کا سب سے بڑا مذہبی مرکز مانا جاتا تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے نامۂ مبارک بھیج کر بنو نجران کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے بغرض تفتیش احوال اپنی قوم کے چودہ

منتخب نمائندے مدینہ منورہ روانہ کئے۔ ان میں سے تین خاص طور پر ممتاز وسربرآوردہ تھے۔ عبدالمسیح، ایہم اور ابوحارثہ بن علقمہ، عبدالمسیح جو امیر قوم تھا۔ بڑا صائب الرائے مانا جاتا تھا۔ کوئی کام اس کے مشورے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ ایہم ایک نہایت کارآزمودہ شخص اور ان کے سیاہ وسپید کا مالک تھا۔ ابوحارثہ اسقف اعظم اور محکمہ تعلیم کا افسر اعلیٰ تھا۔ تمام نصرانی ارباب حکومت اس کا احترام کرتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ بڑا متقی اور خدا پرست مانا جاتا تھا۔

اس قافلہ میں ابوحارثہ ایک خچر پر سوار تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی کرز بن علقمہ دوسرے خچر پر آرہا تھا۔ راستہ میں جب یہ دونوں بھائی ایک جگہ دوسرے لوگوں سے کسی قدر الگ ہوئے تو پیغمبر عربی ﷺ کا تذکرہ چھڑ گیا۔ ابوحارثہ نے کہا کہ وہ صاحب جن کے پاس ہم جارہے ہیں۔ خدا کے وہی برگزیدہ رسول ہیں جن کی بعثت کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا جب تمہارا یہ گمان ہے کہ تو پھر تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ابوحارثہ نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو قوم کے تمام لوگ مجھ سے برگشتہ ہو جائیں گے اور یہ قدرومنزلت جو مجھے حاصل ہے معدوم ہو جائے گی اور مسیحی حکمرانوں نے جس قدر جاگیر مجھے دے رکھی ہے وہ سب واپس لے لیں گے اور میری جاہ وحشمت کا جنازہ نکل جائے گا۔ بھائی کی یہ بات کرز کے دل نشین ہوگئی اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے لیکن بالفعل اپنے رجحان طبع کا حال کسی پر ظاہر نہ کیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

ارکان وفد میں ہر خیال اور عقیدہ کے نصرانی شامل تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام ہی رب العالمین ہیں۔ ''ایہم'' انہیں ابن اللہ تجویز کرتا تھا اور ابوحارثہ کے نزدیک وہ تین میں سے ایک خدا ہیں جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت آنحضرت ﷺ نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے وفد کو نہایت عزت کے ساتھ مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو انہیں مسجد ہی میں انہی کے طریق پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی اور جب بعض بے خبر مسلمانوں نے انہیں مسجد میں نصرانی طریق پر عبادت کرنے سے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے روکنے سے منع فرمایا۔ (زادالمعاد)

دوسرے دن گفتگو کے لئے مجلس آراستہ ہوئی چونکہ نصاریٰ کے تینوں سرگروہ مختلف العقائد اور مختلف جماعتوں کے نمائندے تھے۔ تینوں الگ الگ راگ الاپنے لگے۔ عبدالمسیح

نے قرآن مجید سے استدلال کیا اور بولا کہ مسیح مردے زندہ کرتا تھا۔ ناقابل علاج بیماریوں کو اچھا کرتا تھا۔ غیب کی خبریں دیتا تھا۔ مٹی کا پرندہ بنا کر اس پر پھونکتا تو وہ اڑنے لگتا۔ اگر وہ خود خدائے قدوس نہیں تھا تو اسے یہ خدائی قدرتیں کیونکر حاصل ہوئیں؟ ابہم بولا مسیح خدا تو نہیں البتہ خدا کا بیٹا ضرور ہے۔ اگر خدا کے سوا اس کا کوئی اور باپ ہوتا تو قوم کے لوگ اس سے بے خبر نہ ہوتے۔ مزید برآں اس نے گہوارہ میں کلام کیا تھا۔ حالانکہ بنی آدم میں سے کسی نے ایام رضاعت میں کبھی کلام نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضرور ابن اللہ ہے۔

ابو حارثہ یوں گویا ہوا کہ مسیح تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے اور اس کا ثبوت خود قرآن کے یہ الفاظ ہیں کہ ہم نے یہ کیا۔ ہم نے حکم دیا ہم نے پیدا کیا۔ اگر خدا واحد ہوتا تو واحد کے صیغوں میں کہتا کہ میں نے کیا۔ میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا۔ جمع کے الفاظ نہ بولتا اور وہ تین معبود جنہیں ہم معبودان حق مانتے ہیں۔ یہ ہیں خدا، مسیح اور مریم۔

(سیرۃ ابن ہشام، الروض الانف)

اور لطف یہ کہ اعیان مسیحیت ازراہ نادانی اسی کلام پاک سے استدلال کر رہے تھے جو خود حامل وحی ﷺ پر نازل ہوا تھا اور یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ خود مہبط وحی علیہ السلام سے بڑھ کر اس کلام مجید کا مطلب و مفہوم سمجھنے والا کوئی نہ ہوسکتا تھا اور جہاں ان لوگوں نے اپنے مفید مطلب آیات قرآنی رٹ لی تھیں۔ انہیں ان آیتوں کی طرف بھی التفات کرنا چاہئے تھا جو ببانگ دہل توحید الٰہی کا اعلان کر رہی ہیں، مثلاً: ''وَاِلٰهُكُمْ وَّاحِدٌ'' (تمہارا سچا معبود صرف ایک خدا ہے) ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ'' (اے نبی! کہئے کہ اللہ واحد (لاشریک لہ) ہے۔ وہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور کوئی اس کے برابر کا بھی نہیں)

ظاہر ہے کہ وہ الفاظ جن سے انہوں نے استدلال کیا محض مجاز ہے۔ قاعدہ ہے کہ شاہان عالم کوئی خاص حکم جاری کرتے ہیں تو وہ صیغہ جمع میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جلال و جبروت خداوندی کے اظہار کا کوئی خاص موقع نہیں وہاں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً اسی قرآن میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: ''وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ'' (اور میں نے تم کو اپنے (نبوت کے) لئے منتخب کیا۔ تم اور تمہارے بھائی (ہارون دونوں) ہمارے معجزات لے کر جاؤ اور میری

یادگاری میں سستی نہ کرنا)''قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلاَّ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ''(ابلیس سے فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تو سجدہ کرنے میں تجھ کو کون چیز مانع ہوئی)

بہر حال نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کو احیاءِ موتی کی قسم کے جو معجزات عطاء کیے گئے تو اس سے یہ مقصود تھا کہ لوگ ان آیات بیّنات کو دیکھ کر انہیں خدا کا سچا رسول یقین کریں اور ان کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ بیٹا، باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ بولے ہاں! فرمایا: کیا اس کو بھی تسلیم کرتے ہو کہ پروردگار عالم، ''حَیٌّ لا یموت'' ہے اور عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہمکنار ہوں گے؟ بولے: ہاں! فرمایا: کیا مسیح علیہ السلام کو ملک اور سلطنت کے اختیارات حاصل تھے؟ اور رات اور دن کا ایک دوسرے میں داخل کرنا ان کے دستِ اختیار میں تھا؟ بولے: نہیں۔ فرمایا: کیا یہ صحیح ہے کہ رب العالمین پر زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں؟ کہا: ہاں! فرمایا: کیا مسیح علیہ السلام ان امور کے سوا جو انہیں منجانب اللہ بتائے گئے کسی چیز کا علم رکھتے تھے؟ بولے: نہیں۔ فرمایا: کیا اس کو بھی مانتے ہو کہ ہمارے پروردگار نے جس طرح چاہا رحم میں عیسیٰ علیہ السلام کی شکل و صورت بنائی؟ کہنے لگے: ہاں! فرمایا: کیا یہ بھی درست ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کی مادرِ محترمہ دوسری عورتوں کی طرح حاملہ ہوئیں اور اسی طرح وضع حمل ہوا جس طرح دوسری عورتیں جنتی ہیں؟ پھر وہ انہیں اسی طرح غذا کھلاتی رہیں جس طرح دوسرے بچوں کو کھلائی جاتی ہے؟ بولے: ہاں! فرمایا: کیا اس کو بھی تسلیم کرتے ہو کہ مسیح علیہ السلام بھی اسی طرح بول و براز کی ناپاکی میں مبتلا رہے جس طرح دوسرے انسان ملوث ہیں؟ کہا: درست ہے۔ فرمایا: تو پھر ان حالات میں مسیح علیہ السلام الٰہ رب العالمین یا ابن اللہ یا تیسرے معبود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ یا ابن اللہ یا سچے معبود تھے تو بقول نصاریٰ وہ قتل کیوں کیے گئے؟ کیا یہ امور ان لوگوں کے لئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود برحق سمجھتے ہیں۔ سبق آموز نہیں ہیں؟ باوجودیکہ نصاریٰ کسی دلیل کا بھی جواب، نہ دے سکے لیکن ہٹ سے باز نہ آئے اور کہنے لگے: بتایئے مسیح کا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: صبر کرو۔ جواب دیتا ہوں خدائے قدوس نے اس سوال کے جواب میں یہ آیتیں نازل فرمائیں:

''اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ

مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (ابن جریر طبری، ابن ھشام، الروض الانف) ''﴿بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام کا معیر القول) واقعہ آدم کی (عجیب) حالت کے مشابہ ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے تیار کیا۔ پھر اس (قالب) کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جا تو وہ (جاندار) ہو گیا۔(اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حکم دیا کہ بغیر باپ کے ہو جا تو وہ بن باپ کے عالم وجود میں آ گئے) یہ حقیقت نفس الامر آپ کے پروردگار کی طرف سے (ظاہر کی جاتی) ہے۔سو آپ بھی کہیں شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔پس جو کوئی آپ سے (عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت) علم (قطعی) آنے کے بعد بھی کٹ حجتی کرے تو ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (اچھا مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤ۔ادھر) ہم اپنے بیٹوں کو بلا لیتے ہیں۔(ادھر) تم اپنے بیٹوں کو بلالو۔ہم اپنی عورتوں کو طلب کریں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے تئیں شریک کریں اور تم اپنے تئیں۔پھر سب مل کر بارگاہ خداوندی میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔﴾

آپ ﷺ نے انہیں یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں مگر اسلام پر مائل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو پھر فیصلہ کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ارشاد خداوندی کے مطابق مباہلہ کر لیں۔انہوں نے کہا ہم مشورہ کر کے کل جواب دیں گے۔آخر آپس میں صلاح کی۔عبدالمسیح بولا اے معشر نصاریٰ! یہ تو تم پر اچھی طرح محقق ہو چکا کہ محمد نبی مرسل ہیں۔انہوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق صحیح صحیح اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ جس قوم نے اپنے نبی سے مباہلہ وملاعنہ کیا وہ تباہ و برباد ہوگئی۔پس محمد سے مباہلہ کرنا اپنے آپ کو عفریت ہلاک کے منہ میں ڈالنا ہے۔اس لئے مناسب ہے کہ اگر قبول اسلام کی رائے نہ ٹھہرے تو وطن کو واپس چلو۔ (ابن ہشام وغیرہ)

اس وقت ہادی انام ﷺ کی تینوں بڑی صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ رحلت فرما چکی تھیں۔آنحضرت ﷺ دوسرے دن معہود سے پہلے اپنے موجودہ اہل بیت اطہارؓ یعنی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرات حسنینؓ کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے۔آپ ﷺ نے ان چاروں کو سمجھا دیا تھا کہ اگر مباہلہ ہوا تو میں دعا کروں گا تم سب آمین کہنا۔نصاریٰ ان حضرات کی صورتیں دیکھ کر گھبرا

گئے۔ ابو حارثہ کہنے لگا کہ یہ لوگ تو ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ سے پہاڑ کے ٹل جانے کی دعا مانگیں تو پہاڑ یقیناً اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ اس لئے مباہلہ ہرگز نہ کرو۔ غرض مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت سید المرسلین ﷺ کا اولاد اطہار یعنی صاحبزادی اور نواسوں اور داماد کو جمع کرنا محض اس خیال سے تھا کہ نصاریٰ کو اہل توحید کی آمادگی کامل اور حقیقی خواہش مباہلہ کا یقین ہو جائے۔ اگر ارکان وفد سچ مچ مباہلہ پر آمادہ ہو کر نجران سے اپنی اپنی اولاد اور بیویوں کو بلاتے اور مباہلہ ہوتا تو آپ ﷺ بھی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرامؓ اور ان کے اہل وعیال کو طلب فرماتے اور من حیث القوم ارباب تثلیث کے ساتھ مسلمانوں کا روحانی مقابلہ ہوتا۔ بعض لوگ اس آیت وحدیث سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں۔ سو یہ بالکل لغو ہے۔ اس سے خلافت کو کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قرابت ومحبت اور چیز ہے اور خلافت دوسری شئے ہے۔ اگر خلافت نبوت کے لئے قرابت ومحبت کی شرط تھی تو پھر حضرت زہراءؓ کا استحقاق خلافت سب پر فائق تھا۔

غرض دوسرے دن ارکان وفد (نصاریٰ) دربار رسالت میں باریاب ہوئے اور کہا ابو القاسم! نہ تو ہم آپ سے ملاعنہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں اور نہ قبول اسلام کی صلاح ٹھہرتی ہے۔ البتہ ہر سال جزیہ بھیجنے پر آمادہ ہیں۔ اس کے بعد یہ درخواست ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کبارؓ میں سے کسی امین شخص کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تا کہ وہ ہمارے اختلافات ونزاعات کا فیصلہ کر دیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہتر میں ایک نہایت امین شخص کو تمہارے ساتھ بھیجوں گا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور ارکان وفد سے فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔ (بخاری)

مخبر صادق ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بن جاتے اور جنگل ان پر آگ برساتا۔ ابو حارثہ کے بھائی کرز بن علقمہ مشرف باسلام ہوئے اور وہی بعض متذکرہ صدر تفصیلات کے راوی ہیں۔ (ابن ہشام وغیرہ)

فصل: ۱۴ ...... دختر ابو جہل کے لئے حضرت علیؓ کی خواستگاری

ابو الحکم عمرو بن ہشام معروف با ابو جہل کی اسلام دشمنی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یوں تو بیسیوں اعدائے رسالت ہر وقت حضور سرور انبیاء ﷺ اور آپ کے جان نثاروں کی

جان کے لاگو بنے ہوئے تھے۔ مگر ابوجہل قریباً چودہ سال کی طویل مدت تک جس شدت کے ساتھ حق وصدق کے نابود کرنے میں کوشاں رہا۔ اس کی نظیر اسلام میں ناپید ہے۔ اس نے رحمت عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو جو جو اذیتیں دیں اور عداوت کوشی اور کینہ توزی کے جو جو رنگ اختیار کئے۔ ان کی یاد نہایت روح فرسا ہے۔ انہی وجوہ کی بناء پر آنحضرت ﷺ اس کو ''فرعون ھذہ الامۃ'' (اس امت کا فرعون) کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔

ابوجہل کے حقیقی بھائی ابوسلمہ بن ہشام اور ماں جائے بھائی حضرت عیاشؓ اوائل دعوت ہی میں مشرف بایمان ہوئے تھے۔ ابوجہل نے لاکھ جتن کئے کہ کسی طرح یہ دونوں حضرات دولت ایمان سے محروم کئے جائیں۔ مگر اس کی ہر کوشش نامراد رہی۔ آخر اس رسوائے عالم نے غزوۂ بدر میں دو انصاری نوجوانوں کے ہاتھوں سے جرعہ ہلاک نوش کر کے زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ انجام کار فتح مکہ کے بعد ابوجہل کے گھر کے سب لوگ جس میں اس کے بیٹے حضرت عکرمہؓ بھی داخل تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کے سرچشمۂ سعادت سے سیراب ہوئے اور کچھ دنوں کے سب لوگ ہجرت کر کے حضرت سلمہؓ اور حضرت عیاشؓ کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ گو رحمت عالم وعالمیاں ﷺ نے حضرت عکرمہؓ کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیا تھا لیکن ابوجہل کے بیٹے کی طرف سے جو باپ کی ہلاکت کے بعد عداوت اسلام میں اس کا صحیح جانشین تھا۔ بغیر کسی خاص امتناع کے زبانوں کا رکنا مشکل تھا۔ شیدائیان اسلام نے عکرمہؓ کو ابن عدو اللہ (دشمن خدا کا بیٹا) کہہ کر طعنہ زنی شروع کی۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ایک خاص خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ عکرمہؓ اب خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں کوئی شخص ان کے باپ کی وجہ سے مطعون نہ کرے۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عکرمہؓ کے ساتھ ان کی دو بہنوں نے بھی مشرف باسلام ہوکر ہجرت کی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان میں سے ایک کی خواستگاری کی۔ اس لڑکی کا نام علی اختلاف الروایات، جویریہ، عوراء، حیفہ، جرہمہ یا جمیلہ تھا۔ (فتح الباری)

لڑکی کے گھر والوں نے جواب دیا کہ ہم سیدۂ فاطمہؓ پر اپنی لڑکی نہیں دے سکتے۔ (مستدرک حاکم)

دوسری روایت میں ہے کہ لڑکی کے چچا حضرت حرث بن ہشامؓ نے بارگاہ نبوی میں

حاضر ہو کر التماس کی۔ یا رسول اللہ! علیؓ نے میری بھتیجی کی خواستگاری کی ہے۔ کیا آپ ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ اس کو اُن سے بیاہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ (حاکم باسناد صحیح)

لیکن امام بخاریؒ کی روایت میں یوں ہے کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو حضرت علیؓ کے پیغام نکاح کا علم ہوا تو وہ آستان نبوت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئیں۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی قوم کا یہ گمان ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کی نسبت غضبناک نہیں ہوتے اور علیؓ ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: فاطمہؓ! میرے گوشت کا ٹکرہ ہے۔ پس جس نے انہیں غضبناک کیا۔ اس نے مجھے خشم آلود کیا اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے انہیں ناخوش کیا۔ اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے انہیں آزار پہنچایا اس نے مجھے ایذا دی اور مجھے خوف ہے کہ فاطمہؓ کو (دینی حیثیت سے بہ سبب غیرت طبعی کے کہ بشریت کو لازم ہے) فتنہ میں نہ ڈالا جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بنو ہشام نے مجھ سے اپنی لڑکی کی شادی علیؓ سے کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ سو میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر بھی نہیں دیتا۔ پھر بھی نہیں دیتا اور فرمایا کہ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن خدا کے دوست کی بیٹی اور اس کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ (بخاری)

اس کے بعد حضرت علیؓ نے حاضر ہو کر عذر خواہی کی اور عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! میں ہرگز وہ کام نہ کروں گا جو حضور ﷺ کو ناگوار خاطر ہو۔ یاد رہے کہ آپ ﷺ نے جو اجازت دینے کی بار بار نفی فرمائی تو اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ نفی کسی معیّن مدت کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس امتناع کی وجہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ لکھی ہے کہ حضرت فاطمہؓ پر کئی سال سے پے در پے حادثے اور صدمے گزر رہے تھے۔ ہجرت سے پہلے والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کا ظل عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد تینوں بڑی بہنیں یکے بعد دیگرے جوانی میں داغ مفارقت دے گئیں۔ اس طرح کوئی ایسا حقیقی انیس وغمگسار نہ رہ گیا تھا۔ جس کے پاس کبھی جا کر اپنے زخم ہائے دل پر تسکین کا مرہم رکھتیں اور وحشت دل کا علاج فرماتیں اور اگر خدانخواستہ ان پر سوکن آجاتی اور وہ بھی ابو جہل کی بیٹی، تو ان کے مصائب میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا۔ (فتح الباری)

علاوہ ازیں حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ ابو جہل کی بیٹی

سے نکاح کر لیتے تو یہ بہت برا صلہ تھا جو امت کی طرف سے اپنے نبی کے احسانات کا دیا جاتا۔ ذرا ان مصائب کا خیال کرو جو محض دین کی خاطر ابوجہل وغیرہ مشرکین عرب کے ہاتھوں سے چودہ سال کی طویل مدت تک سرورانبیاء ﷺ کو برداشت کرنے پڑے۔ کیا ان کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ امر قرین انصاف تھا کہ جب دین حنیف اپنے داعی کی ان تھک کوششوں سے پروان چڑھا تو اسی عدوّے اسلام کی بیٹی، آنحضرت ﷺ کی الم رسیدہ وزخم خوردہ صاحبزادی کی سوکن بنادی جاتی؟

نبی ﷺ نے خطبہ میں (اپنے سب سے بڑے نسبتی فرزند) حضرت ابوالعاصؓ کی جو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے۔ تعریف بھی کی اور فرمایا کہ ابوالعاص نے مجھ سے جو بات کہی سچی کہی اور جو وعدہ کیا پورا کیا۔ (بخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ شاید ابوالعاصؓ نے عہد کر رکھا تھا کہ سیدہ زینبؓ پر اور کوئی نکاح نہیں کریں گے اور عجب نہیں کہ علیؓ نے بھی یہی شرط کر رکھی ہو لیکن زیادہ زمانہ گزر جانے کے باعث بھول گئے ہوں اور اگر بالفرض کوئی شرط نہیں تھی تو بھی حضرت فاطمہؓ کی عظمت شان اور علوّ منزلت کا لحاظ رکھنا چاہئے تھا۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہ کیا اس لئے آنحضرت کو عتاب آمیز خطبہ دینے کی ضرورت پیش آئی۔ حالانکہ نبی ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جس بات میں کسی کے عیب اور نقص کا کوئی پہلو نکلتا ہوتا اس کو بہت کم زبان پر لاتے تھے اور ممکن ہے کہ یہ علانیہ معاتبہ سیدہ فاطمہؓ کی تسکین خاطر اور رضا جوئی کے لئے معرض صدور میں آیا ہو۔ (فتح الباری)

اور شارع علیہ السلام نے جو ابوجہل کی بیٹی کو عدو اللہ کی بیٹی کہہ کر یاد فرمایا تو اس سے حسب بیان شیخ ابن حجرؒ اولاد میں آباؤاجداد کے ننگ وعار باقی رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی سے اس اشکال کا بھی حل ہو گیا جو سوکن نہ لائے جانے کے متعلق حضرت سیدۃ النساءؓ کے اختصاص کی نسبت بعض دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ ایک شبہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بہت سے نکاح کئے اور ازواج مطہرات میں جذبۂ غیرت بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔ باوجود اس کے سید عالم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی طرح ان کے حق میں رشک وغیرت کا کبھی خیال ولحاظ نہ فرمایا۔ شیخ ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی والدہ محترمہ اور تینوں بڑی بہنیں یکے بعد دیگرے جوانی کی عمروں میں رخت سفر باندھ باندھ کر ان کو داغ مفارقت

دیتی رہی تھیں اور اس وقت ماں بہنوں میں سے کوئی بھی ایسی مونس و غمخوار زندہ موجود نہ تھیں جو سوکن کی ایذاء رسانیوں کے وقت تسکین خاطر کا کچھ سامان فراہم کر سکتیں۔ بخلاف امہات المؤمنین کے کہ ہر ایک کے پاس مائیں یا بہنیں یا دوسری قرابت دار عورتیں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امہات المؤمنین کے سروں پر خود سرور انبیاء ﷺ کی ذات گرامی ہر وقت موجود تھی۔ آپ ﷺ ازواج کے ساتھ نہایت ملاطفت اور رحم و کرم سے پیش آتے تھے اور اگر بالفرض کبھی کسی کو کسی سوکن کی طرف سے کوئی وجہ شکایت پیدا ہو جاتی تو آپ ﷺ فوراً اس کا مداوا فرما دیتے تھے۔ (فتح الباری)

یاد رہے کہ ابوجہل دو بیٹیاں چھوڑ مرا تھا۔ ایک تو وہ تھیں جن کے لئے حضرت علیؓ نے خواستگاری کی تھی اور نبی ﷺ کے انکار پر وہ حضرت عتاب بن اسیدؓ سے بیاہی گئیں۔ ابوجہل کی دوسری بیٹی حنفاء بھی مشرف بایمان ہوئیں جو حضرت سہیل بن عمروؓ کے سلک ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ (ابن سعد)

فصل: ۱۵ ...... فضائل و مناقب

واہب کردگار نے حضرت زہراؓ کی ذات مبارک کے ساتھ جو فضائل و مناقب مخصوص فرمائے۔ دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں میں بھی ان کی نظیر قطعاً ناپید ہے۔ خصوصاً امت محمدی کے طبقہ نسواں میں حضرت فاطمہؓ اپنی نظیر آپ تھیں۔ پیغمبر خدا ﷺ نے ان کے جو فضائل و محامد بیان کئے ان میں سے بعض یہ ہیں۔ فرمایا کہ تمہیں دنیا کی عورتوں میں سے ان چار خواتین کے فضائل و مناقب پہچاننا کفایت کرتا ہے۔ مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجہ فرعون۔ (ترمذی)

اور فرمایا: فاطمہؓ! میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے انہیں خشم آلود کیا۔ اس نے مجھے غضبناک کیا اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے انہیں ناخوش کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے انہیں آزار پہنچایا۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے جناب زہراؓ سے فرمایا کہ تم جنتی عورتوں یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں راوی کو سہو ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں جنتی عورتوں کی سردار بتایا یا امت کی عورتوں کی سرگروہ فرمایا تھا۔ اسی طرح ہادی عالم ﷺ نے فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ

جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی۔ حضور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام عیادت کو تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! تم کیسی ہو؟ التماس کی کہ مجھے بیماری کی تکلیف ہے لیکن اس تکلیف پر مستزاد یہ ہے کہ میرے گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تمہیں یہ امر پسند نہیں ہے کہ تم خواتین عالم کی سردار بنو؟ انہوں نے گزارش کی کہ مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا: وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں اور تم اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو اور میں نے تمہاری شادی بھی دنیا اور دین کے سردار سے کی ہے۔ (استیعاب)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مریم جناب فاطمۃ الزہراءؓ سے افضل تھیں۔ کیونکہ رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا ہے:

''وَاصْطَفَاکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ'' (اور تمہیں دنیا جہان کی عورتوں میں برگزیدہ فرمایا) لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ عند المحققین دنیا کی عورتوں سے ان کے زمانے کی عورتیں مراد ہیں بلکہ اس کے برعکس بعض احادیث نبویہ سے تمام نساء مؤمنات پر حضرت فاطمہؓ کا تفوق پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت مریم بتول، آسیہ، خدیجہ، عائشہ رضی اللہ عنہن سب پر فوقیت ثابت ہوتی ہے لیکن بعض علماء ام المؤمنین عائشہؓ کو حضرت فاطمہؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ ام المؤمنین عائشہؓ جنت میں حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کے ساتھ اور جناب فاطمہؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ قیام فرما ہوں گی اور ظاہر ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام، مقام علیؓ سے اعلیٰ واشرف ہے لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت صادق مصدوق ﷺ نے سیدۃ النساءؓ سے فرمایا تھا کہ میں اور تم اور علی اور حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔ (اشعۃ اللمعات)

چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں اور تم اور یہ سونے والے یعنی علیؓ اور وہ دونوں (حسنؓ اور حسینؓ) قیامت کے دن ایک مکان میں ہوں گے۔ (رواہ الحاکم فی مستدرکہ، وقال الذہبی صحیح)

لیکن یہاں اس حقیقت سے خالی الذہن نہ ہونا چاہئے کہ ازداج مطہرات بھی سب کی سب جنت کی اسی منزلت رفیع میں اقامت فرما ہوں گی۔ جہاں رسول انام ﷺ

اقامت گزیں ہوں گے۔ چنانچہ ابن ابی اوفیؓ سے مروی ہے کہ حبیب رب العالمین ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل سے درخواست کی کہ کوئی ایسی عورت میری بیوی نہ بنے جو جنت میں میرے ساتھ نہ ہو تو رب قدیر نے میری درخواست قبول فرمائی۔

(رواہ الحاکم فی المستدرک، وقال الذہبی صحیح)

سب سے صحیح مذہب

اس میں شک نہیں ام المؤمنین عائشہؓ محبوبہ رب العالمین اور مجتہدہ زماں تھیں۔ خلفائے راشدینؓ کے عہد ہائے برکت میں فتویٰ دیتیں اور اجتہاد کرتی تھیں۔ تاہم اصح مذہب یہی ہے کہ حضرت فاطمہؓ ان سے افضل ہیں۔ جب امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ ام المؤمنین عائشہؓ اور فاطمۃ زہراءؓ میں سے کون افضل ہیں؟ تو فرمایا کہ فاطمہؓ جگر پارۂ رسول الثقلین ہیں اور میں جگر گوشۂ رسول اللہ پر کسی کو فضیلت نہیں دے سکتا اور امام سبکیؒ کا قول ہے کہ فاطمۃ الزہراءؓ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد ان کی والدہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰؓ ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اور جناب زہراءؓ کی افضلیت کے متعلق خود ام المؤمنین عائشہؓ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتی ہیں کہ میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی شخص کو فاطمہؓ سے افضل نہیں دیکھا۔''اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط وسندہ صحیح علی شرط الشیخین'' (اصابہ)

یاد رہے کہ ام المؤمنین خدیجہؓ اور ام المؤمنین عائشہؓ کے مدارج میں بھی اختلاف ہے اور حق یہ ہے کہ حیثیتیں مختلف ہیں۔ کسی اعتبار سے حضرت خدیجہؓ کو افضلیت و برتری حاصل ہے اور بعض وجوہ سے جناب صدیقہؓ کو اور یہ بھی معلوم ہو کہ علماء نے افضلیت کے معنی کثرت ثواب مراد لیئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ شرف ذات، طہارت، طینت اور پاکی جوہر میں آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار حسن اور حسین ؑ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

رافعی لکھتے ہیں کہ ازواج مطہراتؓ امت کی تمام عورتوں میں افضل ہیں۔ باستثنائے حضرت فاطمہؓ کے وہ رسول خدا کا جگر گوشہ ہیں اور ان کی بڑی بہنیں بھی اس فضیلت میں ان کی شریک ہیں لیکن یہاں ایک یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے افضل کون ہیں؟ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا تو

بالاتفاق جناب زہراؓ سے مفضول ہیں۔ البتہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ سیدہ زینب اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا میں سے کون افضل ہیں؟ طحاوی اور حاکم نے سند جید کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو مکہ معظمہ سے نکلتے وقت ایذادی گئی تو آپ ﷺ نے ان کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ میری افضل بیٹی ہے جو میری وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا ہوئی۔ اس حدیث سے حضرت زینبؓ کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن بعض ائمہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اوائل میں حضرت زینبؓ ہی تمام اولاد اطہار میں افضل تھیں۔ مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے جناب زہراؓ کو وہ کمال عطاء فرمایا کہ اس امت کی کوئی دوسری عورت اس کمال میں ان کی شریک و سہیم نہیں۔ (فتح الباری)

فصل: ۱۶ ...... علم وفضل

حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے اسلام ہی کے ماحول میں پرورش پائی تھی اور مذہبی چرچوں میں ہوش سنبھالا تھا۔ اس لئے باعتبار علم وفضل اور تقویٰ وطہارت اپنی تمام بہنوں سے بڑھی ہوئی تھیں اور یہ ان کا علم وعمل ہی تھا کہ جس نے انہیں سیدہ نساء عالمین اور سیدہ نساء الجنہ کے درجہ تک پہنچا دیا اور محبوب رب العالمین علیہ السلام بھی انہیں کو تمام اولاد میں زیادہ چاہتے تھے۔ روایت حدیث زیادہ تر سرور عالم ﷺ کے بعد ہوئی ہے۔ چونکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے وصال نبوی کے بعد چھ ہی مہینہ میں سفر آخرت کیا اور یہ مدت بھی اس حالت میں گزری کہ غم پدر میں نہ تو عام طور پر کسی سے ہم کلام ہوتیں اور نہ کبھی تبسم فرمایا۔ اس وجہ سے انہیں احادیث نبویہ کی روایت کا بہت کم اتفاق ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کسب حدیث میں ان سے صرف اٹھارہ روایتیں منقول ہیں جن کو بعض جلیل القدر صحابہؓ اور امہات المؤمنینؓ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والے یہ حضرات ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت انس بن مالک، حضرت حسن، حضرت حسین، ام المؤمنین عائشہ، ام المؤمنین ام سلمہ، حضرت سلمٰی، حضرت ام رافع رضی اللہ عنہم۔

حضرت سیدۃ النساءؓ کی وساطت سے امت کے پاس جو حدیثیں پہنچیں ان میں سے چند حدیثیں یہاں تیمناً وتبرکاً درج کی جاتی ہیں۔ ہادی انام ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ایسی حالت میں سوئے کہ اس کے ہاتھ سے کھانے کی بو آتی ہو تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ (ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ کھانا کھا کر ہاتھ اچھی طرح دھو لینے چاہئیں کیونکہ ہاتھ دھوئے بغیر سو جانے میں احتمال ہے کہ چوہا وغیرہ کوئی موذی جانور ہاتھ کاٹ کھائے۔

۲...... ام سلیمان کا بیان ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گئی اور دریافت کیا کہ قربانی کرنے والے کو خود قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ام المومنینؓ نے فرمایا پہلے تو رسول خدا ﷺ اس سے منع فرمایا کرتے تھے لیکن اس کے بعد اس کی اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ علیؓ سفر سے واپس آئے۔ فاطمۃ الزہراءؓ نے قربانی کا گوشت ان کے آگے رکھا۔ انہوں نے کہا کیا رسول خدا ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی؟ جناب فاطمہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ اس کے بعد علیؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو ذوالحجہ سے ذوالحجہ تک کھا سکتے ہو۔ (مسند امام احمد)

۳...... عبداللہ بن حسن مثنیٰؒ نے اپنی والدہ فاطمہ صغریٰؒ بنت حسینؓ سے اور انہوں نے اپنی دادی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے روایت کی کہ رسول خدا ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کلمے فرماتے: ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ (مسند احمد) '' محترمہ فاطمہ صغریٰؒ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کبریٰؓ کو نہیں دیکھا۔ پس یہ حدیث مرسل ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے والد حضرت حسینؓ یا کسی دوسرے بزرگ سے سنی ہوگی۔

۴...... عمرو بن امیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سیدۃ النساء فاطمہؓ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئیں اور بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی تھی کہ رسول اللہ کے خاندان میں سے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ سے جا ملوں گی۔ (مسند احمد)

یعنی سرور انبیاء علیہ السلام کے بعد خاندان نبوت میں سب سے پہلے میری (سیدہ حضرت فاطمہؓ) رحلت ہوگی۔

۵...... قاسم بن فضل کا بیان ہے کہ جب مجھ سے محمد بن علی (معروف بہ محمد بن حنفیہؒ) نے بیان کیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم دیا کہ ان کے لئے فاطمہؓ کی وصیت لکھ بھیجیں اور ان کی وصیت میں وہ پردہ بھی تھا جس کے متعلق لوگوں کا گمان ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہی کی ایجاد ہے اور یہ کہ رسول خدا ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے تھے لیکن اس پردے کو دیکھ کر لوٹ آئے تھے۔ (مسند احمد)

۶...... ابن ابی ملیکہؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ فاطمہؓ حسن مجتبیٰؓ کو (جو ابھی شیر خوار بچے تھے) اوپر کی طرف اچھال رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تو نبی ﷺ کا ہم شکل ہے۔ علیؓ کے مشابہ نہیں۔ (مسند احمد)

۷...... عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مشرکین قریش حجر میں جمع ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) پر حملہ آور ہوں اور ان کو بری طرح پیٹیں۔ یہ ابھی خورد سال تھیں اور قریب ہی کہیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے گھر جا کر اپنے والد معظم سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت خواجہ دو جہاں ﷺ نے فرمایا بیٹی کچھ فکر نہ کرو۔ پھر آپ گھر سے نکل کر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ صناوید قریش نے آپ ﷺ کو آتے دیکھ کر سر اٹھائے لیکن اس کے بعد اپنی نگاہیں پست کر لیں۔ آپ ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا: ''شاھت الوجوہ'' پس ان میں سے جس کسی پر اس کا غبار پہنچا وہ جنگ بدر میں ہلاک ہوا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال الذہبی صحیح مرسل)

فصل: ۱۷ ...... اتباع سنت

اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہے۔ اسی فطری استعداد سے وہ ہر قسم کے رشد و ہدایت کو قبول کرتا ہے جو کوئی جتنا زیادہ رقیق القلب اور لطیف الطبع ہوگا وہ اسی قدر زیادہ آسانی سے تعلیمات حقہ کو قبول کرے گا اور اسی قدر زیادہ شدت کے ساتھ اس پر رشد و ہدایت کا رنگ چڑھے گا۔ سیدۂ جنت کو مبدء فیاض کی رحمت نوازی نے رقت قلب اور لطافت طبع کا جوہر ارزانی فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خود اس برگزیدۂ خلق علیہ السلام کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی جو دنیا کے اندر عرب و عجم، سیاہ و سپید سب کے لئے نمونۂ عمل بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اتباع سنت کا جو رنگ حضرت زہراءؓ کا قلب مبارک قبول کر سکتا تھا دوسرے نفوس قدسیہ اس میں بمشکل ان کی ہمسری کر سکتے تھے۔

حضرت زہراءؓ نے اپنی ہر حرکت و سکون، نشست و برخاست، ایاب و ذہاب کو سنت سنیہ کے ماتحت کر رکھا تھا اور ان کا کوئی عمل حیات ایسا نہ تھا جس میں سنت کی روشنی ضیا پاش نہ ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نشست و برخاست، عادات و فضائل، لب و لہجہ اور طرز گفتگو میں فاطمہؓ سے زیادہ سرور عالم ﷺ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔ (استیعاب)

حضرت فاطمہؓ کو اتباع سنت میں یہاں تک شغف تھا کہ بعض اوقات خود شارع علیہ السلام کو بھی اس منہاج قویم کی طرف متوجہ فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور سید موجودات ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے ہاں گوشت تناول فرمایا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے تجدید وضو نہ فرمائی اور اسی طرح نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ پہلے کبھی حضرت زہراؓ نے آپ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے حضرت فاطمہؓ عرض پیرا ہوئیں کہ وضو کر لیجئے۔ ارشاد فرمایا: بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام کھانے آگ پر ہی پکتے ہیں۔ (مسند امام احمد ج ٦)

حضرت سیدہؓ کا معمول تھا کہ کسی فعل کے حسن وقبح یا ماکولات کی حلت وحرمت میں کوئی ادنیٰ اشتباہ بھی رونما ہوتا تو معاً بارگاہ نبوی کی طرف رجوع کر کے استصواب فرمالیتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰؓ کسی سفر سے واپس آئے تو سیدہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ ان کو کھانے میں تأمل ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اس کے کھانے میں کچھ تأمل نہ کیجئے۔ آنحضرت (ﷺ) نے اس کی اجازت دے دی ہے۔ (مسند احمد)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ دونوں صاحبزادے (حسنؓ اور حسینؓ جو ہنوز کمسن بچے تھے) رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: یہ بچے کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ باہر نکلے۔ بازار میں ایک دینار پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر حضرت فاطمہؓ کے پاس لے آئے اور ان سے دینار ملنے کا حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ فلاں یہودی کی دکان پر جا کر آٹا لے آؤ۔ حضرت علیؓ نے جا کر آٹا خریدا۔ یہودی (جو پیغمبر خدا ﷺ سے حسن اعتقاد رکھتا تھا) کہنے لگا کیوں جناب! آپ انہیں صاحب کے داماد ہیں جو مدعی نبوت ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا: ہاں! یہودی نے کہا لیجئے اپنا دینار اور آٹا بھی لے جائیے۔ حضرت علیؓ نے قیمت دینے پر اصرار کیا لیکن وہ کسی طرح لینے پر رضامند نہ ہوا۔ حضرت علیؓ آٹا لے کر گھر آئے اور حضرت فاطمہؓ سے یہودی کے قیمت نہ لینے کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: اچھا اب قصاب کے پاس جا کر ایک درہم کا گوشت لے آئے۔ حضرت علیؓ قصاب کے پاس گئے اور دینار کو ایک درہم کے عوض رہن رکھ کر گوشت لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کھانا تیار کیا اور رسول خدا ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ عرض پیدا ہوئیں: یا رسول اللہ! میں نے کھانا تیار کیا ہے لیکن میں پہلے

اس کی کیفیت بیان کرتی ہوں۔ اگر یہ کھانا حلال ہے تو ہم بھی کھائیں اور آپ ﷺ بھی تناول فرمائیں اور دینار ملنے اور آٹا اور گوشت آنے کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھالو۔ جب سب کھا رہے تھے تو ایک لڑکا پکارنے لگا کہ میرا دینار گم ہو گیا ہے جس کسی نے اٹھایا ہو میں خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر اس سے ملتجی ہوں کہ مجھے واپس دے۔ آپ ﷺ نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا تمہارا دینار کہاں گم ہوا؟ بولا بازار میں فلاں جگہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم قصاب کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر کہو کہ وہ دینار واپس دے دے اور درہم میں ادا کر دوں گا۔ قصاب نے دینار دے دیا اور وہ لڑکے کو دے دیا گیا۔ (ابوداؤد)

فصل: ۱۸ ...... عبادت گزاری

نماز تہجد اور مناجات

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نماز تہجد کی پابند تھیں۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ فرماتے ہیں کہ مسجد بیت کی محراب میں صبح صادق تک برابر مصروف رہتیں تھیں اور میں سنا کرتا تھا کہ مؤمنین اور مؤمنات کے لئے تو بکثرت دعا فرماتی ہیں لیکن اپنے حق میں کچھ دعا نہیں مانگتیں۔ ایک مرتبہ میں نے گزارش کی: اے مادر مہربان! کیا وجہ ہے کہ آپ دوسروں کے لئے تو دعا کرتی ہیں لیکن اپنے لئے کچھ نہیں مانگتیں؟ فرمایا: بیٹا! پہلے جوار پھر دار یعنی پہلے ہمسایوں کی سلامتی چاہو پھر اپنے لئے امن و عافیت کی درخواست کرو۔ (مدارج)

نبی ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ ﷺ نماز تہجد کے لئے اپنے اہل بیتؓ کو جگایا کرتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ اٹھے اور فرمایا کہ اس رات کیسے کیسے فتنے نازل ہوئے ہیں اور کیسے کیسے خزانے اتارے گئے ہیں؟ کون ہے جو حجروں والیوں (ازواج مطہراتؓ) کو جگائے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں نے لباس پہن رکھا ہے لیکن وہ آخرت میں اس سے عاری ہوں گے۔ (بخاری)

حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیان ہے کہ ایک رات نبی ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور مجھے اور اپنی دختر فرخندہ اخترؓ سے فرمانے لگے: کیا تم دونوں نماز (تہجد) نہیں پڑھ رہے ہو؟ میں نے التماس کیا: یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب چاہتا

ہے بیدار کردیتا ہے۔ آپ ﷺ میری بات سنتے ہی معاً مراجعت فرما ہوئے اور ران مبارک پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا'' (انسان اکثر باتوں میں جھگڑالو واقع ہوا ہے) (صحیح بخاری)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے آیت: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۳۹-۴۲)'' ﴿اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان جانوں کو بھی جن کی ہنوز موت نہیں آئی ہوتی۔﴾ سے استدلال کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے سوال کا جواب دیا تھا لیکن آپ ﷺ کو اس موقع پر اس آیت سے استدلال کرنا ناپسند ہوا۔ کیونکہ انسان ضعیف البیان کے مناسب حال یہ ہے کہ اپنی کوتاہیوں کو ہمیشہ اپنی طرف منسوب کرے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے سرعت جواب پر تعجب کرتے ہوئے اور ان کے اعتذار سے متفق نہ ہو کر ران مبارک پر ہاتھ مارا تھا۔

امام بخاریؒ کی دوسری روایت میں حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہم کو نماز کے لئے بیدار کیا اور مراجعت فرما ہوئے اور جا کر مصروف نماز ہوئے لیکن جب ہمارے اٹھنے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے مکرر تشریف لا کر ہم کو بیدار کیا۔ یہ بیدار کرنا تو نماز تہجد کے لئے تھا اور شاید کبھی کبھی ہوگا لیکن نماز صبح کے لئے تو آپ ﷺ کئی مہینہ تک باقاعدہ حضرت سیدۃ النساءؓ کے دروازہ پر دستک دے کر مسجد میں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ کا برابر چھ مہینہ تک یہ معمول رہا کہ جب آپ ﷺ نماز صبح کے لئے گھر سے نکلتے تو حضرت فاطمہؓ کے دروازہ سے ہو کر اور یہ کہتے ہوئے جاتے۔ اے اہل بیتؓ! نماز اور پھر یہ آیت پڑھتے: ''إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (۳۳-۳۳)'' ﴿اے (نبی کے) گھر والو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تم کو (ہر طرح) پاک وصاف رکھے۔﴾

(رواہ احمد والحاکم فی المستدرک)

فصل: ۱۹ ...... فریضۂ حج ادا کرنا

۱۰ھ میں حضرت خیر البشر ﷺ نے اطراف مدینہ کے تمام قبائل کو اطلاع دی کہ ادائے حج کا مصمم ارادہ ہے۔ جس کسی کو اس فریضۂ الٰہی سے سبکدوش ہونا منظور ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ حضور سید المرسلین ﷺ کی رفاقت حج کوئی معمولی سی سعادت نہیں تھی جسے کوئی

مؤمن قانت ہاتھ سے جانے دیتا۔ اس پیغام نے لوگوں کی آتش اشتیاق کو تیز کر دیا۔ اطراف واکناف، ملک سے انسانوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ اتنا بڑا ازدحام خلائق تھا کہ جس کا حصر کار پردازان قضا وقدر کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ بعض اہل سیر نے ان عازمین حج کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار بتائی ہے۔ دوسروں نے اس سے کچھ کم یا اس سے کسی قدر زیادہ لکھی ہے۔ حضرت جابر انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں اونٹ پر سوار تھا اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ حضور سید کائنات ﷺ کے آگے پیچھے داہنے بائیں سوار اور پیادے ہی پیادے دکھائی دیتے تھے۔

اس تاریخی اجتماع میں نوکی نو ازواج مطہراتؓ اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس میں ایک شاندار وداعی خطبہ میں امت مسلمہ کو اپنی رسالت کی تبلیغ کا گواہ بنایا تھا۔ اس سفر سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ آپ ﷺ کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا کہ حج کے لئے مکہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ وہ بھی وہاں سے روانہ ہو کر آپ ﷺ سے آملے۔

آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں حج اور عمرہ کی نیت سے احرام باندھا تھا اور قربانی ساتھ لائے تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ معظمہ پہنچ کر حکم دیا کہ جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ احرام اتار کر حج کو عمرہ میں تبدیل کر دے اور حج کے دنوں میں پھر احرام باندھے۔ آپ ﷺ کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور بہت سے دوسرے حضرات بھی اپنی اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔ حضرت علیؓ بھی یمن سے کئی اونٹ لائے تھے۔ امہات المومنینؓ اور جناب فاطمۃ الزہراءؓ کے پاس قربانی کے جانور نہ تھے۔ اس لئے جناب زہراءؓ حسب ارشاد نبوی احرام اتار کر محل ہو گئی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جب انہیں رنگین کپڑوں میں دیکھا تو انہیں ناگوار ہوا لیکن حضرت زہراءؓ نے انہیں بتایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہی ایسا کیا ہے۔ (ازالۃ الخفاء وغیرہ)

حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد مکہ سے مراجعت فرماتے وقت موضع خم غدیر میں نماز ظہر سے فراغت پا کر آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا:

"اے حاضرین! جان لو کہ میں بھی بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیامبر (ملک الموت) آئے تو میں اس کی تعمیل کروں لیکن میں تمہارے درمیان دو مہتم بالشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ جس میں نور و ہدایت ہے۔ سو اس پر سختی سے عمل کرو۔

دوسرے میرے اہل بیتؓ، سواپنے اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدایاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

اس خطبہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ جو لوگ یمن سے حضرت علیؓ کے ساتھ آئے تھے ان میں سے بعض نے جناب مرتضیٰؓ کی کوئی شکایت سرور انبیاء ﷺ سے کی تھی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ بعض لوگ (نواصب وخوارج) حضرت علیؓ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں گے۔

فصل: ۲۰ ...... گھریلو زندگی

حضرت علیؓ کی محبت وشفقت اور سرور عالم ﷺ کی امداد

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا کاشانہ زہد عسر وافلاس کا گہوارہ بنا ہوا تھا کیونکہ آمدنی کے مستقل ذرائع ناپید تھے۔ اگر کسی غزوہ سے مال غنیمت کا حصہ ملتا تو عارضی طور پر کچھ آسودگی رونما ہو جاتی لیکن اس کے بعد پھر اسی ناداری اور تہی دستی کا دور دورہ تھا۔ حضرت علیؓ کبھی کبھار کچھ محنت مزدوری کر لیتے تھے لیکن اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے اندر قلت اجرت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر یا رات بھر کی محنت مشقت سے بھی اہل وعیال کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ولایت مآبؓ گھر سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کما لائیں۔ عوالی یعنی مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی میں جا کر معلوم ہوا کہ ایک ضعیفہ اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے۔ اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ غرض اس محنت ومشقت کے بعد مٹھی بھر کھجوریں حاصل کر کے گھر لائے۔ (مسند احمد)

ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جَو مزدوری میں حاصل کئے۔

(صحیح بخاری باب مناقب علیؓ)

پیغمبر خدا ﷺ کو حضرت علیؓ کی عسرت میں ان سے پوری ہمدردی تھی۔ آپ ﷺ وقتاً فوقتاً مختلف صورتوں سے ان کی امداد فرما کر صلہ رحمی کا حق ادا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب میں حضور ﷺ سے کچھ مانگتا تو آپ ﷺ مجھے عطا فرماتے اور اگر خاموش رہتا اور کچھ نہ مانگتا تو سب سے پہلے دیتے۔ (ترمذی)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو دو غلام مرحمت فرمائے۔ یہ دونوں آپس میں بھائی بھی تھے۔ حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک کو فروخت کر ڈالا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارا دوسرا غلام کیا ہوا؟ انہوں نے التماس کی کہ

میں نے بیچ ڈالا۔ آپ ﷺ کو بھائیوں کی مفارقت گوارا نہ تھی۔ اس لئے فرمایا اس کو پھیر لو اس کو پھیر لو۔ (ترمذی)

ایک دفعہ اکیدر نے جو دومہ کا حاکم تھا بارگاہ نبوت میں ایک ریشمی جوڑا بھیجا۔ آپ ﷺ نے یہ جوڑا حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ لیکن چونکہ ریشم مردوں کو حلال نہیں۔ اس لئے دیتے وقت حکم دیا کہ اس کو قطع کر کے فواطم کے لئے سربندھن تیار کرالیں۔ (صحیح مسلم)

فواطم سے مراد تین فاطمہؓ تھیں۔ ایک فاطمہ سیدۃ النساءؓ۔ دوسری فاطمہؓ بنت اسد حضرت علیؓ کی مادر محترمہ۔ تیسری فاطمہؓ بنت سید الشہداء حمزہؓ۔ یہ تینوں فاطمہ حضرت علیؓ کے کاشانہ زہد میں ایک ساتھ رہتی تھیں۔

حضرت فاطمہؓ کا اپنے ہاتھ سے گھر کا کام کاج کرنا

عسرت اور تنگدستی کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے پاس کوئی خادمہ نہ تھی۔ اس لئے گھر کے تمام کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ وہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ پانی کی مشکیں بھرتے بھرتے اور اٹھاتے اٹھاتے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے، برتن مانجتے اور چولہا سلگاتے سلگاتے کپڑے سیاہ چکٹ ہو جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس سے اعلیٰ گھرانوں اور اوسط طبقہ کی ان خواتین کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو اپنے خانگی مشاغل کو بتمامہا خادماؤں پر چھوڑ دیتی ہیں اور گھر کے ادنیٰ کاموں خصوصاً جھاڑو برتن چولہا کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتی ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کی ناداری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سرور دوجہاں ﷺ اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضرت سیدہؓ نے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں تک نہیں پہنچتا اور اگر پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

باہم شکررنجی

فطرت انسانی نے زن وشوہر کے رشتہ کو کچھ ایسا نازک بنایا ہے کہ تصادم سے محفوظ رہنے کے ہزار جتن کیجئے۔ لیکن پھر بھی زندگی بھر میں کبھی نہ کبھی ایسے اتفاقات پیش آ ہی جائیں

گے جن سے رنج و کدورت مترشح ہو۔ لیکن اگر غور کیجئے تو اس ملال وانقباض کی سطح کے نیچے بھی بسا اوقات انس ومحبت ہی کا جذبہ کارفرما نظر آئے گا۔ یہ تو فطرت انسانی کا عام خاصہ ہے۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ جس روحانی نظام کے روح وروان تھے۔ اس کے پیش نظر انہیں اس عموم سے بالکل مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعض اوقات اس چیز کو نظر انداز کر جاتے تھے کہ ان کی منکوحہ آسمان عظمت ورفعت کا وہ نور مبین ہے جہاں تمام نسوانی عظمتیں اور رفعتیں ختم ہوگئی ہیں۔ اس لئے جب کبھی وہ ان سے بشاید عام عورتوں کا سا سلوک کرتے تھے تو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اس سے ملول ہوتی تھیں اور صرف شکایت قلزم دل سے اٹھ کر ساحل لب سے آ ٹکراتا تھا۔

آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور اگر کبھی خانگی معاملات میں باہم رنجش ہوجاتی تو آپ ﷺ دونوں میں مصالحت کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور معلوم کیا کہ باہم رنجش ہے آپ ﷺ نے دونوں میں صفائی کرادی۔ جب باہر تشریف لائے تو چہرۂ مبارک بشاش تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپ ﷺ اس قدر مسرور کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو ہستیوں میں مصالحت کرادی ہے جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ابن سعد)

اور ایک اور واقعہ سنئے: ایک دفعہ حضرت علیؓ جناب سیدۃ النساءؓ سے ناخوش ہوکر گھر سے نکلے اور مسجد نبوی میں جا کر دیوار کے ساتھ لیٹ گئے۔ سرور عالم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کی تلاش میں نکلے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ مسجد میں لیٹے ہیں۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان کو اس حال میں پایا کہ پیٹھ مبارک خاک آلود ہے۔ آپ ﷺ ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا اے ابوترابؓ! (مٹی کے باپ) اٹھ بیٹھو۔ حضرت سہیل بن سعد صحابیؓ کا بیان ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو یہ کنیت اپنے تمام ماحول سے زیادہ محبوب تھی۔ (صحیح بخاری)

شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ احتمال ہے کہ حضرت علیؓ اس خوف سے گھر سے نکل آئے ہوں کہ مبادا غصہ کی حالت میں کوئی ایسا امر صادر ہوجائے جو حضرت خاتون جنتؓ کی عظمت شان کے منافی ہو۔ اس واقعہ میں حضور انور ﷺ کے اخلاق عالیہ کی بھی ایک جھلک

نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کو راضی کرنے کے لئے نکلے اور مسجد میں پاکران کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور اپنی پیاری صاحبزادی سے خفا ہونے کے باعث حضرت علیؓ پر کچھ عتاب نہ فرمایا۔ حالانکہ آپ ﷺ کی نظر میں حضرت سیدہؓ کی قدر و منزلت نہایت بلند تھی۔

اس حدیث سے اس امر کا بھی استحباب ثابت ہوتا ہے کہ نسبتی فرزندوں (دامادوں) سے حلم و رفق کا سلوک کرنا چاہئے اور ان پر عتاب کرنے کی بجائے ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔ تا کہ مودت باہمی برقرار رہے۔ (فتح الباری)

اس سلسلۂ شکر رنجی میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی طرف سے کچھ ایسا برتاؤ ہوا جس کو حضرت فاطمہؓ برداشت نہ کرسکیں اور کبیدہ خاطر ہو کر آستان مبارک کی طرف چلیں۔ حضرت علیؓ بھی ان کے پیچھے گئے اور ایسی جگہ جا کر کھڑے ہوئے کہ پیغمبر علیہ السلام سے حضرت فاطمہؓ کی شکایت سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی! عورت کا بڑا فرض شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ تمہیں ہر حالت میں ان کا حکم ماننا اور ان کی سختی کو برداشت کرنا چاہئے اور فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ ایسا کونسا شوہر ہے جو اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آئے؟ (اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ شوہر خاموشی سے گھر میں قدم نہیں رکھتے بلکہ عموماً ڈانٹ ڈپٹ اور سخت گیری سے کام لیتے ہیں) حضرت علیؓ پر اس مصلحانہ و حکیمانہ جواب کا یہ اثر ہوا کہ پھر انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جس سے جناب سیدہؓ رنجیدہ خاطر ہوتیں۔ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ میں جو تشدد فاطمہؓ پر کیا کرتا تھا اس سے قطعاً دست بردار ہو گیا اور میں نے ان سے کہا واللہ آئندہ کو میں کبھی ایسا وتیرہ اختیار نہ کروں گا جس سے تمہاری دل آزاری ہو۔ (طبقات ابن سعد و اصابہ)

فصل: ۲۱ ...... عفت و پردہ داری

۵ ہجری میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ پہلے مسلمان عورتیں بھی رسم جاہلیت کے مطابق کھلے بندوں پھرتی تھیں۔ اب حکم ہوا کہ مسلم خواتین گھروں سے نکلتے وقت ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں جس سے چہرہ پوری طرح چھپ سکے۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ غیر محرموں سے بلا ضرورت شدید ہم کلام نہ ہوں اور جب بولیں تو پردے کی اوٹ سے بولیں۔ خصوصاً امہات المومنینؓ اور بنات طاہراتؓ کو چہرہ کھول کر پرائے مردوں کے سامنے آنے کی شدت سے ممانعت کردی گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے ایام میں جب لوگ ہمارے پاس سے

گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے۔ جب لوگ گزر جاتے تو پھر چہرہ کھول لیتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب المناسک)

ایک مرتبہ حضرت افلح بن ابی القیسؓ حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے۔ وہ پردے میں چھپ گئیں۔ بولے آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں، میں تو تمہارا چچا ہوں۔ بولیں وہ کیونکر؟ کیا میرے بھائی کی بی بی نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ فرمایا مرد نے تو دودھ نہیں پلایا۔
(ابوداؤد کتاب النکاح)

ام المومنین ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں اور میمونہؓ حضرت سرورانبیاء ﷺ کے پاس تھیں۔ اتنے میں آپ ﷺ کے ایک نابینا صحابی جنہیں عبداللہ بن ام مکتومؓ کہتے تھے حاضر خدمت ہوئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ پردے کا حکم ہو چکا تھا۔ ان کو دیکھتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا دونوں چھپ جاؤ۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں جو ہم کو دیکھتے پہچانتے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نابینا ہیں تو تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو ان کو برابر دیکھ سکتی ہو۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

ایک مرتبہ ابن اسحٰق نابینا، ام المومنین عائشہؓ سے ملنے آئے تو انہوں نے پردہ کیا۔ ابن اسحٰق نے کہا آپ مجھ سے چھپتی ہیں میں تو آپ کو نہیں دیکھتا۔ فرمایا تم نہیں دیکھتے، میں تو تمہیں دیکھتی ہوں۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک سفر سے مراجعت کرتے ہوئے جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ہم لوگوں نے اونٹوں کو تیز کر دیا۔ اس تیزی میں رسول خدا ﷺ کی اونٹنی نے جس کا نام عضباء تھا ٹھوکر کھائی اور آپ ﷺ اور ام المومنین صفیہؓ دونوں گر پڑے۔ لیکن آپ ﷺ معاً اٹھے اور جھٹ حضرت صفیہؓ پر پردہ کر لیا۔ (صحیح مسلم)

اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ گر پڑے اور حضرت صفیہؓ بھی گریں تو نہ کسی شخص نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور نہ حضرت صفیہؓ کی طرف۔ یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ اٹھے اور حضرت صفیہؓ پر پردہ کیا۔ (مسلم)

ایک اور روایت اس طرح ہے کہ ایک سفر میں حضرت انسؓ اور ان کے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سرورعالم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے ام المومنین صفیہؓ کو اپنے پیچھے سوار کر رکھا تھا۔ اتفاق سے آپ ﷺ کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور آپ ﷺ اور ام المومنینؓ دونوں زمین پر آ رہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوطلحہؓ معاً اپنے اونٹ پر سے کود پڑے اور

آپ ﷺ کے پاس جا کر عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! میں قربان جاؤں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم پہلے عورت کی خبر لو۔ چونکہ پردہ کا حکم ہو چکا تھا انہوں نے معا اپنے چہرے پر کپڑا اڈالا اورام المومنینؓ کے پاس جا کر انہیں چادر سے ڈھانپ دیا۔ حضرت صفیہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ابوطلحہؓ نے سواری پر پالان درست کر کے دونوں کو سوار کرایا۔ (بخاری)

یادر ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور دوسری بنات طاہرات بھی پردے کی پابند تھیں اور حکم حجاب کے بعد بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ کسی صحابی کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے۔ راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں۔ پوچھا گھر سے کیوں نکلیں۔ بولیں ہمسایہ کے اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔ (ابوداؤد)

حجاب اور پردہ داری کے متعلق حضرت فاطمہؓ کا مقولہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حافظ ابونعیم اصبہانیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰؓ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا بتاؤ کہ عورتوں کے لئے کون سی چیز بہتر ہے؟ کسی نے اس سوال کا کچھ جواب دیا اور کسی نے کچھ۔ جب حضرت علیؓ اپنے مکان پر گئے تو سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ عورتوں کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟ فرمایا کہ نہ وہ اپنے تئیں مردوں کو دکھائیں اور نہ مردان کو دیکھیں۔ اس کے بعد جب حضرت علیؓ آستان مبارک میں پہنچے تو حضرت فاطمہؓ کا مقولہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرا لخت جگر ہے یعنی ان کا مقولہ بعینہ میری رائے ہے۔

(حلیۃ اولالیاء جلد ۲ ص ۴)

اس حدیث کو بزار نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۳)

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ پردہ ازواج و بنات طاہراتؓ کے ساتھ مخصوص تھا۔ عام مومنات پر پردہ واجب نہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ جو منقولات تفسیر میں امام وقت سمجھے گئے ہیں۔ آیت: ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى'' ﴿اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق اظہار تجمل و آزمائش نہ کرو۔ یعنی بے پردہ نہ پھرو۔﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''هٰذه اٰداب امر اللّٰه تعالٰى بها نسآء النبی ﷺ ونسآء الامة تبع لهن فی ذٰلك'' ﴿اللہ تعالیٰ نے یہ آداب ازواج نبی ﷺ کو سکھائے ہیں اور امت کی عام عورتیں اس حکم میں ان کی تابع ہیں۔﴾

عہد رسالت میں عامۂ مومنات بھی نقاب پوش رہتی تھیں۔

(ابوداؤد کتاب المناسک مایلبس المحرم)

صحابیات آیت حجاب کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی عموماً چہرہ نہ کھولتی تھیں۔ بلکہ منہ پر نقاب ڈال کر حاضر خدمت ہوتی تھیں۔ ام خلاءؓ نام صحابیہ کا بیٹا یہود کی لڑائی میں شہید ہوگیا تھا۔ جب حضرت رسالت پناہ ﷺ میدان کارزار سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تو ام خلاءؓ اپنے مقتول بیٹے کے حالات دریافت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئیں۔ حاضرین میں سے کسی نے تعجب سے کہا کہ بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ یعنی تمہیں اس مصیبت میں نقاب اوڑھنا کس طرح سوجھا؟ وہ بولیں کہ اگر میں اپنا فرزند گم کر بیٹھی ہوں تو شرم وحیاء نہیں کھو بیٹھی ہوں۔ یہ سن کر حضرت مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تمہارے بیٹے کو دوہرا اجر ملے گا۔ کیونکہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔

(ابوداؤد کتاب الجہاد)

فصل:۲۲ ...... اخلاق وشمائل

جس طرح حضرت فاطمہؓ جنس لطیف میں فرد کامل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح واہب کردگار نے انہیں تمام صفات سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا جو محاسن اخلاق میں کمال درجہ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد کسی نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ بنت الرسول کیسی بیوی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک ایسا دل آویز پھول تھا کہ جس کی مہک مرجھانے کے بعد بھی میرے مشام جان کو معطر کر رہی ہے۔ ذیل میں اس عفیفہ کے اخلاق وعادات پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

صدق بیانی

صدق شعاری اور راست بیانی ایک صالح انسان کا افضل ترین جوہر ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ راست بیانی کی عادت کرو۔ کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکوکاری بہشت میں لے جاتی ہے۔ جو شخص سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو خدائے برتر کے نزدیک اس کا نام صدیقوں کے دفتر میں درج کیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ فسق وفجور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور فسق وفجور جہنم میں لے جاتا ہے اور

جو شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنے کا عادی ہے اور درگاہ رب العالمین میں اس کا نام کذابوں کے دفتر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت فاطمۃ الزہراؓ صدق و راستی کا پیکر مجسم تھیں۔ام المومنینؓ عائشہؓ فرماتی ہیں:

''مَارَأَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَصْدَقَ لِهَجَۃً مِنْ فَاطِمَۃَ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ الَّذِیْ وَلَدَهَا ﷺ'' ﴿میں نے فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں پایا۔البتہ ان کے والد آنحضرت ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔﴾

حقوق ہمسائیگی کا لحاظ

مخبر صادق ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھ کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے تاکید کی کہ میں سمجھا ہمسایہ کو شریک وراثت بنا دیں گے۔ (ابوداؤد)

حضرت فاطمہؓ حقوق ہمسائیگی کا پورا لحاظ رکھتی تھیں۔ایک مرتبہ پیغمبر خدا ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آ رہے تھے۔راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں۔پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں ہمسایہ کے اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔ (ابوداؤد)

استعفاف

حضرت فاطمہؓ غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ تھیں۔اس لئے انہیں کسی کے سامنے دست سوال پھیلانا قطعاً گوارا نہ تھا۔کوئی شخص والدین سے مانگتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتا، لیکن حضرت زہراؓ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگوں کے سامنے والد محترم ہی سے سوال کیا جائے۔حضرت فاطمہؓ گھر کے کام کاج کے بوجھ تلے بری طرح دبی ہوئی تھیں۔ایک مرتبہ سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کسی لڑائی سے قیدی آئے۔حضرت علیؓ ان سے کہنے لگے کہ آج رسول خدا کے پاس قیدی آئے ہیں۔کاش تم اپنے والد محترم کے پاس جا کر گھر کے کام کاج کے لئے ایک قیدی مانگ لیتیں۔حضرت فاطمہؓ گئیں، لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ ﷺ کے پاس چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس چلی آئیں۔ (ابوداؤد)

شیوۂ تسلیم و رضا

حضرت فاطمہؓ کی ساری عمر تنگ دستی کی مرارت و تلخی میں گزری۔لیکن نہ تو کبھی حرف شکایت زبان پر لائیں اور نہ تنگ دل اور ملول خاطر ہوئیں؟ بلکہ مدت العمر شیوۂ تسلیم

ورضا پر کاربند رہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی ترغیب وتحریک سے قیدی عطا کئے جانے کی درخواست کے ساتھ آستان معلّٰی میں حاضر ہوئیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا بیٹی! کیا کام ہے۔ یہ تو چپ رہیں۔ لیکن حضرت علیؓ جو اس وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ عرض پیرا ہوئے یارسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ اب حضور ﷺ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے ان کو صلاح دی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ایک قیدی کے لئے درخواست کریں۔ تاکہ اس مشقت سے بچ جائیں۔

آپ ﷺ نے صاحبزادی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا فاطمہؓ! خدا سے ڈر اور اپنے پروردگار کا حکم بجالا۔ اپنے گھر کا کام خود کرلیا کر۔ اس کے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمدللہ ۳۳ مرتبہ، اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادمہ سے بہتر ہوگا۔ غرض آپ ﷺ نے اپنی لخت جگر کی درخواست مسترد فرمادی۔ حضرت فاطمہؓ عرض پیرا ہوئیں یارسول اللہ! مجھے اللہ ورسول کا حکم بسروچشم منظور ہے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح ایک مرتبہ خواجۂ عالم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ انہوں نے اونٹ کی پشم کا ایک موٹا سا کپڑا پہن رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا اے فاطمہؓ آج دار دنیا میں مشقت اور تنگی معاش پر صبر کرتا کہ فردائے قیامت کو نعیم جنت سے بہرہ اندوز ہو۔ (مدارج)

حضرت عمران بن حصین صحابیؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے سرور انبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں فاطمہؓ آئیں اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فاطمہؓ قریب آجا۔ وہ قریب ہوگئیں۔ میں نے دیکھا کہ سیدۃ النساءؓ کا چہرہ مبارک (بھوک کے مارے) پیلا پڑ گیا تھا اور خون کی کوئی جھلک نظر نہ آتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان پر رکھ دیا اور بارگاہ خداوندی میں التماس کی: اے بھوک سے سیری بخشنے والے: اے قاضی الحاجات: اے پستی کو بلندی سے بدلنے والے! فاطمہؓ بنت محمد ﷺ کو بھوکا نہ ہونے دے۔ معاً میں نے دیکھا کہ فاقہ کشی کی زردی آناً فاناً چہرہ مبارک سے غائب ہوگئی ہے اور خون جھلکنے لگا ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک مرتبہ سیدۃ النساءؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگیں کہ اس دعا کے بعد مجھے فاقہ

سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ رواه الطبرانی فی الاوسط وفیه عقبه بن حمید وثقه ابن حبان وغیره ضعفه جماعة وبقية رجاله وثقوا! (مجمع الزوائد ج۹ ص ۲۰۳)

زہد و تقشف

حضرت سیدۃ النساءؓ نے نہایت زاہدانہ و متقشفانہ زندگی بسر فرمائی۔ کبھی دنیائے دنی کی طرف مائل نہ ہوئیں اور اگر کبھی ان کے معیار زندگی میں دنیوی زیبائش کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پایا گیا تو آسمان روحانیت کے نیّر اعظم ﷺ نے انہیں جھٹ متنبہ فرما کر عالم عقبیٰ کی طرف متوجہ کیا اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کی تلقین فرمائی۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ مراجعت سفر کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے دروازے پر ایک منقش پردہ لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ اندر نہ گئے۔ باہر ہی سے لوٹ آئے اور آپ ﷺ کی عادت تھی کہ سفر سے واپس آنے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے ملنے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ گھر گئے تو حضرت فاطمہؓ کو ملول و محزون پایا۔ پوچھنے لگے اس غم واندوہ کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: رسول خدا ﷺ یہاں تشریف لائے تھے لیکن باہر ہی سے واپس چلے گئے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ بارگاہ معلّٰی میں پہنچے اور گزارش کی: یارسول اللہ! آپ ﷺ غریب خانہ پر تشریف لے گئے اور اندر گئے بغیر لوٹ آئے۔ اس کی وجہ سے حضور ﷺ کی صاحبزادی بہت غمگین ہیں۔ فرمایا: مجھ سے اور نقش ونگار سے کیا علاقہ، اور مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ یہ سن کر حضرت علیؓ گھر پہنچے اور حضور ﷺ کا ارشاد جا سنایا۔ حضرت زہراءؓ نے فرمایا اچھا ذرا جا کر آپ ﷺ سے یہ پوچھ آؤ کہ میں اس پردے کو کیا کروں؟ حضرت علیؓ نے آ کر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں فلاں لوگوں کو (فی سبیل اللہ) دے دیں۔ (ابوداؤد)

ہر چند کہ شریعت میں منقش پردوں کی کوئی ممانعت نہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے لئے اتنی آرائش بھی گوارا نہ فرمائی۔ آنحضرت ﷺ کے آزاد غلام سفینہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے پاس کہیں سے مہمان آیا۔ انہوں نے اس کے لئے کھانا تیار کرایا۔ حضرت سیدہؓ جناب علی المرتضیٰؓ سے فرمانے لگیں کہ بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی بلا لو کہ آ کر ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آستانِ نبوت میں حاضر ہوئے اور قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے تشریف لا کر دونوں ہاتھ کواڑ کے

دونوں طرف رکھ دیئے اور دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ لوٹ آئے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کے پیچھے چلی اور التماس کی: یارسول اللہ! کون سی چیز لوٹ آنے کی محرک ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے (یا کسی نبی کے لئے) یہ روا نہیں کہ کسی زینت دار گھر میں داخل ہو۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ گو عوام کے لئے شرعاً ممنوع نہ ہو لیکن یہ امر کسی پیغمبر کے شایان شان نہیں ہے کہ اتنی سی زینت و آراستگی بھی گوارا کرے۔ عوام کے لئے حرام سے بچنا کافی ہے لیکن خواص مکروہات و مباحات سے بھی بچتے ہیں۔

حضرت ثوبانؓ پہلے آنحضرت ﷺ کے غلام تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے عاشق زار تھے۔ حصول آزادی کے بعد آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھ کر ہر وقت آپ کے رخ انور کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت سیدہؓ کے زہد و تقشف کے متعلق ذرا ان کا بیان سنئے۔ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر کو جاتے تو اپنے اہل میں سب سے پیچھے حضرت فاطمہؓ سے مل کر رخصت ہوتے اور جب مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے آ کر ملتے۔ ایک مرتبہ آپ غزوہ سے رجعت فرما ہوئے تو سیدۃ النساءؓ نے بطور خیر مقدم گھر کے دروازے پر پردہ لگا دیا اور اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) کو جو ابھی کمسن بچے تھے چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپ ﷺ حسب معمول جب فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے۔ جناب سیدہؓ نے اس بے رخی کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ یہ چیزیں آپ ﷺ کی تشریف آوری کو مانع ہوئیں۔ فوراً پردہ چاک کر دیا اور صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اتروا دیئے۔ بچے روتے ہوئے آستان مبارک میں آئے اور کنگن اتارے جانے کی شکایت کرنے لگے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے بعض مسکینوں کا نام لیا اور فرمایا: ثوبان! کنگن لے جا کر ان محتاجوں کو دے آؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیتؓ ان زخارف سے آلودہ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: ثوبان! ان چیزوں کے بدلے فاطمہؓ کے لئے عصب (ایک دریائی جانور کے دانت) کا ہار اور بچوں کے لئے ہاتھی دانت کے کنگن خرید دو۔ (احمد و ابوداؤد)

اہل دنیا اپنی بیٹیوں کو سونے میں لدا دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ کو اپنی اولاد کے حق میں یہ چیز ناپسند تھی۔ قارئین کرام نے اوپر کی سطروں میں پڑھا کہ

آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا اپنے کاشانہ زہد میں دنیوی زینت وزیبائش سے ملوث ہونا گوارا نہ فرمایا۔ اسی طرح شادی ہو جانے کے بعد بھی آپ ﷺ ان کے لئے زینت وتجمل کو ناپسند فرماتے رہے۔ ایک اور عبرتناک واقعہ سنئے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے انہیں سونے کا ہار لا دیا۔ حضور فخر دوعالم ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: کیوں فاطمہؓ! کیا تمہیں لوگوں کی زبانی یہ سننا پسند ہے کہ رسول اللہ کی بیٹی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے نہ صرف اس ہار کو اتار دیا بلکہ اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ اسی وقت بازار بھیج کر فروخت کرادیا۔ (نسائی کتاب الزینۃ)

اقرباء سے محبت

جیسا کہ ایک مؤمن اور مومنہ کا شیوہ ہے، حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو اپنے اقرباء سے بڑی محبت تھی۔ جب غزوۂ بدر کے دن حضرت سیدۃ النساءؓ کی بڑی بہن سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس بیٹھ کر رو رہی تھیں اور آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ (استیعاب)

رسول خدا ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جنگ موتہ میں جو ۸ھ میں ہوئی تھی، جرعۂ شہادت پیا تھا۔ سرور انبیاء ﷺ کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع اسی وقت بذریعہ وحی الٰہی ہو گئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ جعفرؓ زمرۂ شہداء میں داخل ہو گئے ہیں۔ حضرت زہراءؓ نے سنا تو زاروقطار رونے لگیں۔ اس کے بعد جب رسول خدا ﷺ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں یہ کہتے سنا: ''واعماہ'' ﴿ہائے میرے چچا﴾ تو حضور انور ﷺ نے فرمایا: دیکھو بیٹی! نہ تو زبان سے کچھ کہنا (یعنی بین نہ کرنا) اور نہ سینہ کوبی کرنا۔ (ابن سعد)

والد محترم کی رضا جوئی

سعادت منداولاد والدین کی تابع فرمان ہوتی ہے اور ان کی مصلحت وصواب دید کو ہمیشہ اپنی خواہش پر مقدم رکھتی ہے۔ حضرت زہرائے بتول کی یہی حالت تھی۔ وہ آنحضرت ﷺ کی مرضی مبارک کو اپنے رجحان طبع پر ترجیح دیا کرتی تھیں۔ اس کی ایک نظیر ہدیہ قارئین ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کو دوسری بیویوں سے زیادہ چاہتے تھے اور ازواج مطہرات میں سب سے حسین بی بی جویریہؓ تھیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے پہلی

مرتبہ ام المؤمنین جویریہؓ کو دیکھا تو گھبرا اٹھیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب میرا رتبہ کم ہو جائے گا لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ قدر و منزلت کا باعث حسن و جمال نہیں بلکہ علم و فضل، دینی خدمات، تقویٰ اور تعلق باللہ تھا۔ حضرت عائشہؓ میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ رسول خدا ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ہر وقت ساعی رہتی تھیں اور آپ ﷺ کو کبیدہ خاطر دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں۔ (مسند احمد)

ابن سعد نے کتاب طبقات النساء میں ام المؤمنین ام سلمہؓ سے نقل کیا ہے کہ انصار میں سے سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، عمارہ بن حزم اور ابوایوب (رضی اللہ عنہم) جو مدینہ منورہ میں ہادی انام ﷺ کے ہمسایہ تھے۔ آپ ﷺ کے پاس ہدیے اور تحفے بھیجتے رہتے تھے۔ (فتح الباری)

چونکہ ان حضرات کو معلوم تھا کہ سرور کائنات ﷺ کا دلی میلان ام المؤمنین عائشہؓ کی طرف زیادہ ہے۔ اس لئے یہ حضرات اپنے ہدیوں اور پیشکشوں کو جو آپ ﷺ کے حضور میں نذر کرنا چاہتے تھے بتکلف تمام اس خیال سے روک رکھتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کے دن حاضر خدمت کریں گے اور اس عزم و کوشش کا مقصد بجز رضائے پیغمبر ﷺ کے اور کچھ نہ تھا۔ جب یہ ہدیے اور تحفے حضرت عائشہؓ کے پاس جمع ہو چکتے تو وہ ان کو آنحضرت ﷺ کے حکم سے برابر کے نو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اپنے پاس رکھ لیتیں اور باقی آٹھ حصے دوسرے آٹھ گھروں میں بھجوا دیتیں۔ دوسری ازواج مطہراتؓ نے حضرت عائشہؓ کے اس امتیاز میں شاید اپنی سبکی محسوس کی۔ اس لئے انہوں نے اس حالت کو بدل دینا چاہا اور امہات المؤمنینؓ دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک میں عائشہ، صفیہ، حفصہ اور سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اور ان کی سردار حضرت عائشہؓ تھیں اور حزب ثانی جناب ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرات (زینب، ام حبیبہ، جویریہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن) پر مشتمل تھا اور ان کی سرگردہ حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ (ابن سعد و فتح الباری)

فریق ثانی نے جناب ام سلمہؓ سے کہا کہ آپ سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کیجئے کہ جو کوئی آپ ﷺ کے پاس ہدیہ لانا چاہے وہ اسی جگہ لایا کرے جہاں آپ ﷺ تشریف فرما ہوں۔ خواہ عائشہؓ کے گھر میں ہوں یا دوسری جگہ۔ حضرت ام سلمہؓ نے اس بارہ میں پیغمبر ﷺ سے گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کی نسبت مجھے آزار نہ دو۔ کیونکہ مجھے عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے جامۂ خواب (بستر) میں وحی نہیں آتی۔ ام المؤمنین ام

سلمہؓ کہنے لگیں: یارسول اللہ! میں اللہ کی جناب میں حضور کی دل آزاری سے توبہ کرتی ہوں۔

اس مرحلہ پر فریق ثانی کو خاموش ہو جانا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس امتیاز کی وجہ بیان فرمادی تھی لیکن انہوں نے مزید کوشش ضروری خیال کی۔ چنانچہ اب انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو بلا بھیجا اور ان کی وساطت سے وہی عرضداشت بارگاہ نبوی ﷺ میں دوبارہ پیش کرنی چاہی۔ حضرت فاطمہؓ ان کے کہنے سننے پر جا کر سفارش کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تم اس بات کو پسندیدہ خیال نہیں کرتیں جس کو میں پسند کرتا ہوں؟ جناب زہراءؓ نے کہا: میرا پسندیدہ وہی ہے جسے آپ ﷺ پسند کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس تم بھی عائشہؓ ہی کو چاہو۔ (بخاری و مسلم مع شرح)

یاد رہے کہ پیغمبر ﷺ نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ہدایا و تحائف عائشہؓ کی باری کے دن لایا کریں اور اس روز لانا ان کا اپنا ذوق طبیعت تھا جسے رسول خدا ﷺ کے عدل بین الزوجات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں تھا کیونکہ یہ دوسروں کا فعل تھا اور جس صورت میں کہ لوگ اپنی خوشی سے ایسا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ از روئے انصاف کسی کو اس کی ممانعت بھی نہ فرما سکتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ رسول خدا ﷺ کا جواب سن کر چلی آئیں اور امہات المؤمنینؓ سے آکر سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے حضرت سیدہؓ کو دوبارہ بھیجنا چاہا لیکن سیدۃ النساءؓ نے فرمایا: واللہ! آئندہ میں اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے کبھی کچھ نہ کہوں گی۔ (مسلم)

یہ سن کر حضرت زینب بنت جحشؓ نے کہا: میں جاتی ہوں۔ ام المؤمنین زینبؓ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ ان کے مزاج میں بڑی تیزی اور شدت تھی اور امہات المؤمنینؓ میں صرف حضرت زینبؓ ہی ایسی تھیں جنہیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ہمسری کا دعویٰ تھا۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ دوسری ازواج مطہراتؓ سے کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے ساتھ میرا عقد سات آسمانوں پر خود خدائے رب العالمین نے کیا اور تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کئے۔ جس وقت حضرت زینبؓ نے سرور انبیاء ﷺ کے پاس جانے کا قصد کیا تو آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہؓ ہی کے حجرہ میں قیام فرما تھے۔ حضرت زینبؓ اجازت لئے بغیر غصے میں بھری ہوئی اندر گھس آئیں اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی نظر میں تو ابوبکرؓ کی بیٹی کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی سخت کلامی کی۔ باوجودیکہ وہ جانتی تھیں کہ رسول خدا ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی

عادل نہیں۔ تاہم وہ غیرت سے ایسی مغلوب تھیں کہ جو زبان پر آیا کہہ دیا، لیکن آنحضرت ﷺ کا اخلاقی کمال دیکھو کہ آپ ﷺ نے اس پر کچھ مواخذہ نہ فرمایا بلکہ ہر بات نہایت سکوت اور سکون کے ساتھ سنتے رہے۔ حضرت عائشہؓ بھی بالکل خاموش تھیں۔ جب حضرت زینبؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ تو کسی بات کا جواب نہیں دیتے تو وہ حضرت عائشہؓ کی طرف متوجہ ہوئیں اوران کو سخت سست کہنے لگیں۔ مگر حضرت صدیقہؓ نے ضبط وتحمل سے کام لیا اوراب بھی کسی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اصل میں حضرت عائشہؓ یہ سوچ رہی تھیں کہ اگر میں کچھ جواب دوں تو یہ رسول اللہ کو ناگوار تو نہ ہوگا؟ جب حضرت زینبؓ کا دریائے خشم اورزیادہ تیزی کے ساتھ موجزن ہوا تو آپ ﷺ نے خود ہی حضرت صدیقہؓ سے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے صفائی پیش کرو۔ حضرت عائشہؓ ایک تو حق پر تھیں دوسرے نہایت فصیح البیان اور مقررہ تھیں۔ حضور ﷺ کی مرضی مبارک پاکر نہایت معقولیت اور متانت کے ساتھ جواب دینے لگیں۔ چنانچہ ابھی دو یا چار باتیں کہی تھیں کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہوگئیں۔ یہاں تک کہ لعاب دہن ان کے منہ میں خشک ہوگیا۔ چونکہ حضرت زینبؓ کی شکایت بے محل تھی اور وہ سراسر زیادتی کر رہی تھیں۔ اس لئے جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو حضور ﷺ کا رخ انور جگمگا اٹھا اور خوش ہوکر حضرت عائشہؓ کی نسبت فرمایا: کیوں نہ ہوآخر ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں۔

(نسائی، ابن ماجہ، فتح الباری)

رازداری

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی بات بیان کرے تو وہ اس کے پاس امانت ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

پس راز کا فاش کرنا خیانت ہے اور اگر افشاء میں کسی کو ضرر پہنچتا ہو تو حرام ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو بھی کمینہ پن ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت فاطمہؓ پر اپنا رازدل ظاہر کرتا تھا تو وہ اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اس طرح بند کردیتی تھیں کہ گویا ان کا دل رازداری کا گنجینہ ہے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی ﷺ کی دوسری بیویاں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ اس اثناء میں فاطمہؓ آئیں۔ ان کی چال ڈھال ہو بہو آنحضرت ﷺ کی چال سے ملتی جلتی تھی۔ آپ ﷺ نے فاطمہؓ کو دیکھ کر مرحبا کہا۔ پھر انہیں اپنے پاس بٹھایا اور چپکے سے کوئی بات ان سے کہی۔ وہ چیخ مار کر رونے لگیں۔ جب

آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو زیادہ محزون واندوہ گیں پایا تو نہایت رازداری کے ساتھ کوئی اور بات ان کے کان میں کہہ دی۔اب کی مرتبہ فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔اس سے پیشتر میں نے بیک وقت رنج اور خوشی کا ایسا اجتماع کبھی نہ دیکھا تھا جو اس موقع پر نظر آیا۔

ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت فخر کون ومکان علیہ التحیۃ والسلام اس مجلس سے تشریف لے گئے تو میں نے فاطمہؓ سے پوچھا کہ حضرت والا ﷺ نے کیا بات تم سے مخفی کہی تھی جو تم رونے لگیں؟ حضرت زہراءؓ بولیں میں رسول خدا کا راز افشاء نہیں کروں گی۔ اس کے بعد جب پیغمبر ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ میں تمہیں اپنے حق کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے تم سے کیا کہا تھا؟ جناب فاطمہؓ نے جواب دیا کہ اب جب کہ آپ ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے ہیں۔میں کہے دیتی ہوں کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جبرئیل مجھ سے ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اب کی مرتبہ انہوں نے میرے ساتھ قرآن کا دوبار دور کیا ہے۔اس سے میں گمان کرتا ہوں کہ میرا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔پس اے فاطمہؓ تقویٰ اختیار کرنا اور زمام صبر کو ہاتھ سے نہ دینا اور میں تمہارے لئے اچھا سلف اور پیش رو ہوں۔یہ سن کر میں رونے لگی۔جب آپ ﷺ نے میرے جزع واضطراب کا معائنہ فرمایا تو دوسری مرتبہ آہستہ سے کہا: اے فاطمہؓ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ بہشت کے اندر تمام جنتی عورتوں کی یا تمام نساء العالمین کی سردار بنو؟ (بخاری ومسلم)

ایک اور روایت حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلی مرتبہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اسی بیماری اور تکلیف میں کہ جس میں اس وقت مبتلا ہوں، میری روح قبض کی جائے گی تو میں زار و قطار رونے لگی اور دوسری مرتبہ فرمایا کہ تم میرے اہل بیتؓ میں سب سے پہلے مجھ سے آملو گی۔یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔ (بخاری ومسلم)

فصل: ۲۴ ...... رسول اللہ ﷺ کو حضرت زہراءؓ سے محبت

حضرت فاطمہؓ زہد و ورع، تقویٰ وطہارت، پاکیزگی اخلاق اور تعلق باللہ میں اپنی تینوں بہنوں سے ممتاز تھیں۔اس لئے ہادی خلق ﷺ انہیں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔اس کے علاوہ وہ آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار میں سب سے چھوٹی تھیں اور چھوٹی اولاد عموماً زیادہ عزیز ہوتی ہے۔مزید برآں آپ ﷺ کے وصال سے تھوڑا عرصہ پیشتر مدینہ منورہ میں

آپ ﷺ کی ذریت طاہرہ میں صرف حضرت فاطمہؓ کا وجود گرامی باقی رہ گیا تھا اور آپ ﷺ کے سوا ان کا کوئی غمگسار اور تشفی دینے والا نہ تھا۔ اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کو بہت محبوب تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ وصال نبوی کے بعد جناب زہراءؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے بنت رسول اللہ! واللہ میں نے کسی شخص کو ایسا نہیں پایا جسے رسول اللہ آپ سے زیادہ چاہتے ہوں۔ (مدارج)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ انہوں نے فرمایا: فاطمہؓ سے۔ پوچھا گیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے؟ فرمایا: فاطمہؓ کے شوہر کو۔ (استیعاب)

شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ اس بیان میں حضرت عائشہؓ کا انصاف اور صدق حال اور وہ محبت ملاحظہ کرنی چاہئے جو انہیں پیغمبر علیہ السلام کے خاندان سے تھی اور غور کرنا چاہئے کہ انہوں نے کس سچائی کے ساتھ حقیقت حال کا اظہار فرمایا اور دوسری حدیث میں ہے کہ جناب فاطمہؓ سے پوچھا گیا کہ پیغمبر خدا ﷺ سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے؟ فرمایا: عائشہؓ کو۔ پھر دریافت کیا گیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ کس کو دوست رکھتے تھے؟ فرمایا ان کے والد محترم ابوبکرؓ کو اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات پیغمبر علیہ السلام کے محبوب تھے لیکن حیثیتیں مختلف تھیں۔ (مدارج)

حضرت زہراءؓ پر حضور فخر المرسلین ﷺ کی غیر معمولی شفقت پدری کا اندازہ آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے بھی ہوسکتا ہے کہ جب آپ ﷺ کہیں سفر کو جاتے تو اپنے اہل میں سب سے پیچھے حضرت فاطمہؓ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے آ کر ملتے۔ (احمد وابوداؤد)

دوسری روایت میں ہے کہ جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے تو پہلے مسجد میں تشریف لا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ پھر حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ پھر ازواج مطہراتؓ کے پاس آتے۔ (استیعاب)

اس سے بھی بڑھ کر اس محبت پدری کا اظہار اس وقت ہوتا تھا جب دونوں باپ بیٹی باہم ملاقی ہوتے۔ چنانچہ ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب فاطمہؓ رسول اللہ کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر

بٹھاتے۔اسی طرح جب آپ فاطمہؓ کے پاس جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں اور محبت سے آپ ﷺ کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابوداؤد)

غرض حضرت سید العرب والعجم ﷺ کو اپنی اس دختر فرخندہ اخترؓ سے جو محبت تھی شاید ہی کسی باپ کو اپنی اولاد سے ہوگی لیکن بایں ہمہ جناب زہراؓ اس محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ جن ایام میں کثرت فتوحات نے مدینہ مطہرہ پر سیم وزر کی بارش کر رکھی تھی اور مسلمانوں میں مال وزر کے خزانے لٹ رہے تھے۔ان دنوں بھی سیدہ فاطمہؓ عام مسکینوں کی سی زندگی بسر کر رہی تھیں۔

فصل: ۲۴ ...... سرور انبیاء ﷺ کی رحلت ومفارقت کا صدمہ

حضرت فخر الاولین والآخرین ﷺ نے مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع کے اجتماع عظیم میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا وہ امت کے نام آپ ﷺ کا وداعی پیغام تھا۔آپ ﷺ اس خطبہ کے بعد دو مہینے اور بیس دن تک صحیح وسالم اس سرائے فانی میں قیام فرما رہے۔ماہ صفر کے اخیر میں مزاج گرامی، اعتدال صحت سے منحرف ہوا۔حالت مرض میں آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک بندہ کو اس کا اختیار دیا کہ جب تک چاہے اس سرائے فانی میں رہ کر دنیوی زیب وزینت سے بہرہ مندر ہے یا ان چیزوں کو پسند کرے جو رب قدیر کے پاس ہیں تو اس بندہ نے خدائے برتر کے پاس کی چیزوں کو ترجیح دی۔

چونکہ اس بیان میں آپ ﷺ نے اپنی رحلت کے حادثہ جاں گداز کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اسرار نبوت کے رازداں تھے، حقیقت حال کو بھانپ کر رونے لگے اور بولے یا رسول اللہ! ہم اور ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔راوی حدیث ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابوبکرؓ کے گریہ پر اور ان کے اس قول پر متعجب ہوئے اور حاضرین آپس میں کہنے لگے کہ اس معمر بزرگ کی طرف دیکھو کہ آپ ﷺ کسی بندہ کا تذکرہ فرما رہے ہیں، جسے رب جلیل نے دو باتوں میں سے ایک بات پسند کر لینے کا اختیار دیا اور یہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، لیکن بعد کو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ ہی کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی شخص اس راز کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ آپ ﷺ اپنے سفر آخرت کی اطلاع دے رہے ہیں۔پس حضرت ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ ذکی وہوش

مند تھے۔ (بخاری ومسلم)

والد معظم کی تیمارداری

جب سرورکونین ﷺ مرض وصال میں مبتلا ہوئے تو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ مل کر شروع سے اخیر تک برابر تیمارداری میں مصروف رہیں۔ چنانچہ مرض وصال میں سید عالم ﷺ کو جو مستقل طور پر ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں رکھا گیا تو یہ حضرت زہراءؓ ہی کے مشورہ سے عمل میں آیا تھا۔ آپ ﷺ کی بیماری شروع ہوتے ہی نقاہت بہت بڑھ گئی تھی مگر معمول کے مطابق آپ ﷺ ہر بی بی کے حجرہ میں باری باری سے ضرور جاتے تھے۔ چل نہیں سکتے تھے تو کپڑے میں لٹا کر آپ ﷺ کو لے جایا جاتا تھا۔ جب مرض نے اور زیادہ شدت اختیار کی تو فرمانا شروع کیا: کل کس کے گھر میں ہوں گا؟ عرض کیا گیا کہ فلاں بی بی کے ہاں۔ فرمایا: پرسوں کس کی باری ہے؟ عرض کیا گیا فلاں حرم محترم کی۔ آپ ﷺ کے اس طرح بار بار سوال کرنے سے حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ جناب عائشہؓ کے گھر میں رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ازواج مطہراتؓ سے کہنے لگیں کہ اب رسول اللہ ﷺ کو تمہارے ہاں آنے جانے اور باریاں بدلنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ (ابن سعد)

اس پر تمام ازواج نے بالاتفاق آپ ﷺ سے یہ درخواست کی۔ یارسول اللہ! آپ ﷺ عائشہؓ کے گھر میں رہیے۔ ہم نے اپنی اپنی باری عائشہ کو بخش دی۔

(کنزالعمال بحوالہ ابن ابی شیبہ وبخاری کتاب الجنائز)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے باریوں کے متعلق پوچھنا چھوڑ دیا۔ (بخاری)

دوسری روایت میں ہے کہ امہات المومنینؓ نے حضور ﷺ کو اس کی اجازت دے دی کہ آپ ﷺ عائشہؓ ہی کے گھر میں رہیں۔ (جیسا کہ اوپر درج ہوا) لیکن احتمال یہ ہے کہ امہات المومنینؓ نے آپ کو حضرت عائشہؓ کے مکان پر رہنے کی اس وقت اجازت دی ہو جب آپ ﷺ حضرت صدیقہؓ کے مسکن پر پہنچ چکے ہوں۔ (فتح الباری)

حضرت سرور عالم و عالمیاں ﷺ پر مرض کا شدید حملہ تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ تکلیف کی شدت سے ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور سمیٹتے تھے۔

(کنزالعمال بحوالہ ابویعلی فی مسندہ وابن خزیمہ)

جب آپ ﷺ شدت مرض میں بیہوش ہوئے تو حضرت فاطمہؓ سینہ مبارک سے چمٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور کہنا شروع کیا: آہ! میرے باپ کی تکلیف! اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔ (بخاری)

اور فرمایا: تمہارے باپ کو اب وہ منزل درپیش ہے جس سے کسی کو بھی چھٹکارا نہیں۔ (کنزالعمال بحوالہ ابویعلی وابوخزیمہ)

اور فرمایا: اب آئندہ ملاقات قیامت کو ہوگی۔ (ابن ماجہ)

اور فرمایا: بیٹی! روؤ نہیں۔ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو کہنا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کیونکہ اس میں آدمی کے لئے ہر مصیبت کی تسلی موجود ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے التماس کی: یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کی بھی؟ فرمایا: ہاں! میری بھی۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا استحقاق خلافت

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ کے مرض نے شدت اختیار کی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ عرض پیرا ہوئیں: یارسول اللہ! ابوبکرؓ رقیق القلب آدمی ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! انہی کو نماز پڑھانے کے لئے کہو۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ تمام صحابہؓ میں افضل اور خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور امام المسلمین ہونے کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے۔ حضرت خیر الانام ﷺ بارہ یا تیرہ دن علیل رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ ﷺ کی علالت کے آخری دنوں میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ البتہ درمیان میں ایک وقت حضور خیر البشر ﷺ نے بھی نہایت تکلیف سے بیٹھ کر امامت فرمائی۔ ایک اور دن آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے رنج وغم کا احساس کر کے گھر سے تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر حاضرین کو نصائح دلپذیر اور وصایائے ارجمند سے مستفیض فرمایا۔ (ابن سعد)

وصال نبوی

آخر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کے دن آسمان رسالت کا یہ نیّر اعظم رحمت الٰہی کے شفق

میں غروب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ﷺ وانا لله وانا اليه راجعون! جب رسول انام ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر رنج والم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کہنے لگیں: ''میرے باپ نے اپنے پروردگار کی دعوت کو لبیک کہا۔ رب العالمین نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اے میرے والد محترم! آپ ﷺ کا ماویٰ جنت الفردوس ہے۔ ہم آپ ﷺ کے وصال کی خبر جبریل کو پہنچاتے ہیں۔'' (بخاری)

جب سرورِ عالم ﷺ کو سپردِ لحد کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ حضرت زہراءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: تم لوگوں کو یہ امر کس طرح گوارا ہوا کہ رسول اللہ کے جسد اطہر کو مٹی کے نیچے مستور کر دو۔ (بخاری واسد الغابہ)

آپ ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے وقت اولادِ اطہارؓ میں سے صرف حضرت فاطمہؓ کا وجودِ گرامی باقی رہ گیا تھا۔ انہیں آپ ﷺ کی مفارقت کا جو صدمہ ہو سکتا تھا وہ محتاجِ تشریح نہیں۔ مقامِ غور ہے کہ جب اس اکلوتی پیاری بیٹی کے سر سے اس جلیل القدر باپ کا ظلِ عاطفت اٹھ گیا جو سارے جہان کا نور اور رحمت للعالمین بلکہ باعثِ تکوین وتخلیقِ عالم تھا تو دخترِ گرامی کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ حضرت سیدۃ النساءؓ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد چھ مہینہ تک بحالت رنج وکرب زندہ رہیں لیکن اس مدت میں کبھی تبسم نہ فرمایا اور کسی نے انہیں ہنستے نہ دیکھا۔ (اسد الغابہ)

جناب سیدۂ عالم آنحضرت ﷺ کے مدفنِ مبارک پر تشریف لے گئیں اور روئیں اور ایک مشتِ خاک تربتِ مبارک سے لے کر آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے:

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَ
اَنْ لَّا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(در منثور)

(کیا اس شخص پر جو حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی تربت مبارک کی خاک سونگھے لازم ہے کہ وہ مدت العمر پھر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے؟ مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے)

مندرجہ ذیل مرثیے بھی حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں:

اَغْبَرَ اٰفَاقُ السَّمَآءِ وَکُوِّرَتْ — شَمْسُ النَّهَارِ وَاَظْلَمَ الْعَصْرَانِ
وَالْاَرْضِ مِنْ بَعْدِ النَّبِیِّ کَسِیْبَۃٌ — اَسْفٰی عَلَیْهِ کَثِیْرَۃُ الْاَحْزَانِ
فَلْیُبْکِهٖ شَرْقُ الْبِلَادِ وَ غَرْبُهَا — وَلْتُبْکِهٖ مُضَر وَ کُلُّ یَمَانِ
وَلْیُبْکِهِ الطُّوْدُ الْاَشَمِ وُجُوْدَهٗ — وَالْبَیْتِ ذُوالْاَسْتَارِ وَالْاَرْکَانِ
یَا خَاتِمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَکِ صِنْوَهٗ — صَلّٰی عَلَیْکَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنِ

(الدر المنثور)

(آسمان غبار آلود ہو گیا۔ آفتاب لپیٹ دیا گیا ہے اور زمانہ تاریک ہو گیا۔ نبی ﷺ کے بعد زمین ویران ہے۔ فرط الم اور شدت غم سے گراں بار ہے۔ آپ ﷺ پر شرق وغرب کے رہنے والے، قبیلۂ مضر کے لوگ اور تمام اہل یمن روتے ہیں اور بڑے بڑے پہاڑوں پر اور محلات پر گریہ طاری ہے۔ اے خاتم النبیین! خدا آپ ﷺ پر رحمت نازل کرے)

اِنَّا فَقَدْنَاکَ فَقْدُ الْاَرْضِ وَاَهْلِهَا — وَغَابَ مُذْغِبْتَ عَنَّا الْوَحْیِ وَالْکُتُبُ
فَلَیْتَ قَبْلَکَ کَانَ الْمَوْتُ صَادِفْنَا — لِمَا نُعِیْتَ وَحَالَتْ دُوْنَکَ الْکُتُبُ

(ہم آپ ﷺ سے اس طرح محروم ہو گئے ہیں جس طرح زمین بارش سے محروم ہو جائے۔ جب سے آپ ﷺ اوجھل ہوئے ہیں وحی آسمانی اور کتابیں بھی ہم سے غائب ہو گئی ہیں۔ اے کاش! آپ ﷺ کے رحلت فرمانے اور خاک میں استراحت فرمانے سے پہلے ہی ہمیں موت آ جاتی)

فصل: ۲۵ ...... میراث پدری کا مطالبہ

فے اور اس کی تقسیم

معلوم ہو کہ حصول فتح کے بعد جو مال غنیمت مسلمانوں کو ملتا تھا وہ پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک حصہ پیغمبر علیہ السلام کا ہوتا تھا اور چار حصے غازیوں میں تقسیم ہوتے تھے لیکن عہد نبوی میں جو سرزمین بلاحرب و پیکار مصالحت وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی وہ رسول اللہ کی خالص ملک تھی۔ اس میں غازیوں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ خیبر کے بعض گاؤں لڑائی سے فتح ہوئے تھے اور بعض صلح سے حاصل ہوئے تھے۔ مؤخر الذکر دیہات اور بنونضیر کی سرزمین

اور موضع فدک وہ علاقے تھے جو جنگ کے بغیر حبیب رب العالمین ﷺ کو تفویض ہوئے تھے۔ یہ فے کہلاتے تھے اور ان کی ملکیت پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ مختص تھی۔ (بخاری و مسلم)

ان کے علاوہ یہ املاک بھی حضور خیر البشر ﷺ کو بلا جہاد حاصل ہوئے تھے۔ بنو نضیر میں سے ایک یہودی نے مشرف بہ اسلام ہو کر وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے سات باغ رسول اللہ کی ملک ہوں گے۔ سو یہ باغات آپ ﷺ کو وصیۃً ملتے تھے۔ (۲) وہ زمین جو انصار نے آپ ﷺ کو ہبۃً دی تھی۔ (۳) وادی القریٰ کا تیسرا حصہ۔ (شفائے قاضی عیاض)

فے کی آمدنی بھی پانچ حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ چار حصے تو حضرت سرور کونین ﷺ نے اپنے لئے مخصوص فرمائے تھے اور پانچواں حصہ اپنے قرابت داروں (بنی ہاشم) اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی ضروریات پر خرچ ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے جو اپنے چار حصے تھے، ان میں بیت المال کے تمام مصارف اور تمام قومی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔ لشکر کے لئے اسلحہ اور سواری کے جانور خریدے جاتے تھے۔ وفود کی مہمانداری، قاصدوں اور ایلچیوں کے انعام، نومسلموں کی تالیف و اعانت، بے کس مہاجروں کی امداد اور اہل بیت نبوت کے مصارف اسی سے ادا کئے جاتے تھے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ)

فے کے پانچویں حصے کی تولیت

فے کے پانچویں حصے میں رب العالمین عز اسمہ نے حضرت فخر عالم ﷺ کے قرابت داروں کا جو حصہ مقرر فرما رکھا تھا اس کے لئے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہراء اور آپ کے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم) باہم متفق ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التماس کی: یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ مناسب خیال فرمائیں تو کتاب اللہ کے ارشاد کے مطابق خمس میں ہم قرابت داروں کا جو حق ہے وہ ہمارے قبضہ و اختیار میں دے دیں۔ آپ ﷺ نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا اور حضرت علیؓ کو اس کا متولی متعین فرما دیا۔ یہ تولیت رسول اللہ کے عہد سعادت میں برابر قائم رہی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی حضرت علیؓ کو ہی اس کا متولی مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ خلافت فاروقی کے آخری سال بہت سا مال آیا۔ حضرت عمرؓ نے ہمارا حق نکالا اور مجھے بلا بھیجا لیکن میں نے جا کر کہہ دیا کہ امسال ہمیں مال کی حاجت نہیں۔ بہت سے دوسرے مسلمان حاجت مند ہیں۔ اس لئے آپ اسے

اہل حاجات میں تقسیم کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس خواہش کی تعمیل کی اور تمام رقم بے کس ومفلوک الحال مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عباسؓ بڑے معاملہ فہم اور فرزانۂ روزگار بزرگ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ (حضرت) علیؓ کے کہنے سے اقرباء کی تمام رقم محتاجوں میں تقسیم کر دی گئی ہے تو حضرت علیؓ سے کہنے لگے تم نے آج کے دن ہم لوگوں کو محروم کر دیا اور یاد رکھنا کہ آئندہ ہمیں یہ حصہ کبھی نہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے بعد کسی نے حضرت علیؓ کو اس مال کے لئے طلب نہ کیا۔ (ابوداؤد)

ذوی القربیٰ کا حصہ کیوں بند کیا گیا؟

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنی خلافت میں فے کے خمس میں سے اقربائے نبی کا جو حصہ تھا وہ بند کر دیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان کے خیال میں اس حصہ کے جاری رکھنے کی اب ضرورت باقی نہ رہی تھی کیونکہ دوسرے مداخل کے علاوہ حضرت فاروق اعظمؓ نے تمام حضرات کے مستقل گرانقدر وظیفے مقرر فرما دیئے تھے۔ اس سے قطع نظر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ذوی القربیٰ کا حصہ آپ ﷺ کے وصال ہی سے ساقط ہو گیا تھا۔ کیونکہ اقرباء کا حصہ بوجہ نصرت قدیمہ کے تھا اور جب اسلام وصال نبوی کے بعد پوری طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہو جانے کے بعد اقربائے نبی ﷺ کی امداد سے مستغنی ہو گیا اور وہ نصرت باقی نہ رہی تو وہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ اس بناء پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اب خمس کو صرف باقی تین حصوں (یتیموں، محتاجوں اور مسافروں) میں تقسیم کرنا چاہئے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مساکین میں سب سے مقدم مساکین ذوی القربیٰ ہوں گے۔ (تفسیر احمدی)

فدک عطاء کئے جانے کے لئے حضرت فاطمہؓ کی درخواست

پیغمبر خدا ﷺ نے مندرجہ بالا املاک میں سے موضع فدک کی نصف آمدنی اپنے خانگی اور خاندانی مصارف کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ اس آمدنی میں سے آپ ﷺ ازواج مطہراتؓ کو سال بھر کا خرچ دیتے تھے۔ اس سے بے کس ومفلوک الحال ہاشمی بچوں کی پرورش فرماتے اور نادار ہاشمی مردوں، عورتوں کی شادیاں کرا دیتے تھے۔ ان ضرورتوں سے کچھ پس انداز ہوتا تو وہ فقراء ومساکین اور عام اسلامی مصالح ومصارف پر خرچ کرتے۔ ایک مرتبہ

حضرت سیدۃ النساءؓ نے غالباً حضرت علیؓ کی ترغیب وتحریک سے بارگاہ نبوی میں درخواست کی کہ موضع فدک انہیں (بطور ہبہ) عطاء فرمادیا جائے، لیکن آپ ﷺ نے اس درخواست کو شرف پذیرائی نہ بخشا۔ (ابوداؤد)

اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ اس جائیداد کی حیثیت وقف کی سی تھی اور آنحضرت ﷺ اس کے ایسے ہی مالک تھے جس طرح والیان ملک کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کردی جاتی ہے۔ اس کی دو حیثیتیں تھیں۔ خالصہ بھی تھا اور وقف بھی۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ حضور خیرالانام ﷺ جو جائیدادیں چھوڑ گئے ان کی حیثیت ہمیشہ صدقات کی سی رہی۔ کسی خاص شخص کے لئے ان کی ملکیت حرام ہے۔ (شفاء)

یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے فدک کی جائیداد اپنی صاحبزادی کی ملکیت میں دینے سے انکار فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبضہ میں چلی گئی اور انہوں نے اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرنا شروع کیا۔ جس طرح خود آنحضرت ﷺ انفاق فرماتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے مرسل صادق ہونے کی ایک بڑی دلیل

حامل وحی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مرسل صادق ہونے کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا اپنے خاندان بنی ہاشم کے کسی معزز رکن کو اپنی خلافت کا وصی نہ بنایا بلکہ اگر مبہم الفاظ اور غیر صحیح طرز عمل سے کسی کے لئے وصیت فرمائی اور جانشین مقرر کیا تو وہ ایسے صاحب (حضرت ابوبکر صدیقؓ) تھے جن سے آپ ﷺ کی کوئی خاندانی قرابت نہ تھی۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ اور عم زاد بھائی وداماد حضرت علی المرتضیٰؓ جیسے جلیل القدر ہاشمی حضرات کی موجودگی میں ان کے لئے خلافت کو منصوص نہ فرمانا۔ اس امر کا بیّن ثبوت تھا کہ آپ ﷺ بلاشبہ خدا کے برگزیدہ رسول تھے۔ ورنہ اگر (معاذ اللہ) آپ ﷺ کوئی خانہ ساز اور خودساختہ نبی ہوتے تو اپنی بیویوں کے لئے اور اپنی پیاری بیٹی اور محبوب داماد کے لئے بہت کچھ کرجاتے اور انہیں لاکھوں کی جائیداد کے مالک بناجاتے لیکن اگر آپ نے کچھ کیا تو یہ اعلان کیا کہ انبیاء کا کوئی وارث ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم (پیغمبروں) سے کوئی میراث نہیں پائی جاتی ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

چونکہ انبیاء کا متروکہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا کے مصلح اعظم (ﷺ) اس سرائے فانی کوالوداع کہنے سے پہلے عملی رنگ میں اپنے ترکہ کوصدقہ قرار دیتے گئے۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہ کریں گے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں وہ میری ازواج کے مصارف اور جائیداد کے منتظم کی اجرت کو چھوڑ کر باقی سب صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور ام المؤمنین جویریہؓ کے بھائی حضرت عمرو بن حارثؓ کا بیان ہے کہ سردار دو جہاں ﷺ نے اپنی رحلت کے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ کوئی درہم، نہ دینار، نہ لونڈی، نہ غلام اور نہ کچھ اور بجز خچر (دلدل) اور ہتھیار اور کچھ زمین کے جسے آپ ﷺ مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ (بخاری کتاب الوصایا)

حضرت عمرو بن حارثؓ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں پر صدقہ کر گئے وہ وہی ہے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ یعنی مدینہ منورہ، فدک، خیبر اور وادی القریٰ کی زمین۔

انبیاء کا ترکہ وارثوں کو کیوں نہیں ملتا تھا

انبیاء کی جائیداد ان کے اقرباء کو اس لئے نہیں ملتی تھی کہ یہ نفوس قدسیہ دنیا میں خلق خدا کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے تھے نہ کہ حطام دنیوی جمع کرنے کے لئے۔ پس جو مال ان کے قبضہ وتصرف میں آتا تھا وہ ان کے وصال کے بعد صدقہ ہو جاتا تھا تاکہ یہ حقیقت خلق خدا کے ذہن نشین ہو جائے کہ انبیائے کرام دنیا میں مال جمع کرنے نہیں آئے تھے بلکہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں اور جانفشانیاں صرف خدا کے واسطے تھیں۔ ان میں کسی دنیوی اور نفسانی غرض کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ اولاد تک کو ان کے ترکہ کا حصہ نہیں ملتا تھا بلکہ ان کے عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد ان کے ملک کی ہر چیز ان کے جانشینوں کی نگرانی میں چلی جاتی تھی۔ اس معنی میں حضرت سید الخلق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کوئی معاش دیتا ہے تو وہ اس کے بعد وارثوں کو نہیں ملتی بلکہ جانشین کو پہنچتی ہے۔ (ابوداؤد)

امہات المؤمنینؓ کا مطالبۂ ارث

اگر حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی جائیداد قابل تقسیم ہوتی تو ازواج مطہراتؓ کو اس

کا آٹھواں حصہ ملنا چاہیے تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو کہ انبیاء کا متروکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ ہنوز شہرت کا درجہ حاصل نہ تھا۔ اس لئے امہات المؤمنینؓ کے اس فریق نے جس کی سردار حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ عالم بے خبری میں خلافت مآب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ترکہ نبوی کے آٹھویں حصے کا مطالبہ کرنا چاہا۔ چنانچہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو طلب فرما کر ان سے کہا کہ خلیفۂ رسول اللہ کے پاس جا کر ہمارے مطالبہ ارث کی وکالت ونمائندگی کیجئے۔ انہوں نے اس کو منظور کیا لیکن جب حضرت عثمانؓ اس مطالبہ کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس آئے تو انہوں نے یہ فرما کر حضرت عثمانؓ کو تو لوٹا دیا کہ جا کر ازواج سے کہئے کہ اس مطالبہ میں خدا سے ڈریں۔ کیا انہوں نے حضور خواجۂ عالم علیہ السلام کا یہ ارشاد طاق نسیاں پر رکھ دیا کہ ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ البتہ آل محمد اس جائیداد کی آمدنی سے نفقہ لے سکتی ہے جب حضرت عثمانؓ نے جا کر انہیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا پیغام سنایا تو وہ اس مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں۔

(صحیح بخاری وموطا امام مالک)

حضرت سیدۃ النساءؓ کا مطالبہ میراث

اس اثناء میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ سے مطالبہ کیا کہ ان کے والد معظم ﷺ کی جو جائیداد مدینہ فدک اور خیبر کے دیہات میں ہے وہ انہیں دلائی جائے۔ چونکہ متروکہ نبوی خالصہ جائیداد تھی جس میں قانون وراثت جاری نہیں ہوسکتا تھا۔ خلیفۂ رسول اللہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں آنحضرت ﷺ کے اعزہ کو اپنے خویش واقارب سے اور حضور انور ﷺ کی اولاد کو اپنی اولاد سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ مگر تقسیم جائیداد میں یہ امر مانع ہے کہ خود سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا کہ انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں۔ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ البتہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں اہل بیت نبوت کو اس جائیداد کی آمدنی سے جو کچھ ملتا تھا وہ اب بھی ملے گا۔ اس کے بعد فرمایا اے بنت رسول اللہ! میں ہر اس کام پر عمل پیرا ہوں گا جسے آنحضرت ﷺ انجام دیتے تھے اور اگر میں ایسا نہ کروں اور آنحضرت ﷺ کے طریق قویم کو پس پشت ڈال دوں تو یہ سراسر کج روی اور گمراہی ہوگی۔ غرض صدیق اکبرؓ نے اس جائیداد کو بطریق میراث دینے سے انکار کیا۔ (احمد، بخاری، مسلم)

حضرت فاطمہؓ کو اس انکار کا سخت قلق ہوا اور وہ خلیفہ رسول اللہ سے اس قدر برہم ہوئیں کہ اخیر وقت تک ان سے ہم کلام نہ ہوئیں۔ (بخاری وابن سعد)

لیکن راقم الحروف کے خیال میں ممکن ہے کہ راوی کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ جناب بتولؓ شافی جواب پا کر مطمئن ہوگئی ہوں اور امہات المومنینؓ کی طرح اس مطالبہ کا خیال چھوڑ دیا ہو اور راوی نے اس سکوت ورزی کو رنجش پر محمول کرلیا ہو۔ جب کسی معقول وسنجیدہ آدمی کے ساتھ کوئی معقول عذر پیش کیا جائے تو وہ اس کو قبول کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت زہراؓ سے بڑھ کر حق پرست اور منصف مزاج اور معقولیت پسند اور کون ہوسکتا تھا؟ حضرت خلافت مآب نے کوئی غیر معقول اور ناروا بات نہیں کہی تھی جو جناب سیدہؓ کے مزاج گرامی پر گراں گزرتی اور ترک کلام تک نوبت پہنچتی۔ حضرت صدیق اکبرؓ تو انہی کے والد محترم کے فرمان واجب الاذعان کا احترام کر کے دین حنیف کی بنیادیں مضبوط کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت اشرف الانبیاء علیہ السلام کے بلند ترین روحانی آئین کو عملی جامہ پہنا کر صدق اسلام کی ایک تابناک دلیل دنیا کے سامنے رکھی تھی۔ لیکن اگر جناب سیدہؓ واقعی کبیدہ خاطر اور ملول ہوئی تھیں تو یہ ان کی غلطی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ استرداد (رد کرنے) مطالبہ میں بالکل حق بجانب تھے۔ کیونکہ وہ خود حضرت صادق مصدوق ﷺ کی زبان مبارک سے یہ حدیث سن چکے تھے۔ اگر وہ سیدۃ النساءؓ کی برہمی مزاج سے مرعوب ہو کر ان کے ناجائز مطالبہ کو پورا کر دیتے تو فرمودۂ نبوی ﷺ کی مخالفت کے باعث وہ پیغمبر علیہ السلام کے سچے جانشین نہ ہوتے۔ پس وہ کسی طرح قابل الزام نہیں ٹھہرتے بلکہ یہ انکار ان کے خلیفہ برحق ہونے کا ایک درخشاں ثبوت ہے۔ ہاں! اگر وہ اس جائیداد کو بنت الرسولؓ سے چھین کر اس پر معاذ اللہ خود غاصبانہ قبضہ جما لیتے۔ اپنی اولاد یا خویش واقارب کو دے کر کسی خود غرضی کا ثبوت دیتے تو واقعی مورد طعن تھے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ اگر سرور عالم ﷺ کا ترکہ تقسیم ہوتا تو ازواج مطہراتؓ کو بھی اس کا حصہ ملتا جن میں ان کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ بھی داخل تھیں۔ اگر معاذ اللہ! اولاد رسول ﷺ سے عداوت تھی تو انہوں نے ازواج مطہراتؓ اور عم رسول ﷺ حضرت عباسؓ خصوصاً اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ اور جناب فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی ام المومنین حفصہؓ کو بھی ترکہ سے کیوں محروم رکھا؟ اور جس صورت میں کہ ان اراضی کے دے ڈالنے میں ان کی ذات کو یا ان کے اہل وعیال کو یا ان کے خاندان کو کوئی

نقصان نہیں پہنچتا تھا تو انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ حق داروں کا حق چھین کر اہل بیتؓ کی اور ان کے خویشوں کی مخالفت مول لیتے۔ غرض اہل عناد کا اعتراض سراپا نامعقول ہے اور صحیح طریق عمل یہی تھا جو حضرت سید الرسل ﷺ کے سچے جانشین نے اختیار کیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کو جناب سیدہؓ کی ناراضی کا علم ہوا تو ان کی خدمت میں جا کر عذر خواہی کرنے لگے اور فرمایا میں رسول اللہ کی قرابت کو اپنی قرابت پر مقدم سمجھتا ہوں لیکن اس خواہش کی تکمیل سے معذور ہوں کیونکہ حضور خواجۂ عالم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل ناگزیر ہے۔ (فتح الباری)

معلوم نہیں اس معذرت پر وہ راضی ہوئیں یا نہیں لیکن ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت زہراؓ مرض موت میں مبتلا ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کی عیادت کو آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علیؓ نے جا کر جناب سیدہؓ سے کہا کہ ابو بکرؓ آئے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا جس طرح مناسب سمجھئے کیجئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے انہیں اجازت دی اور حضرت خلافت مآب نے آکر مزاج پرسی کی جس سے وہ خوش ہو گئیں اور کوئی غبار کدورت دل میں باقی نہ رہا۔ (طبقات ابن سعد)

واللہ اعلم بحقیقۃ حالہ!

بایں ہمہ صحابہ کرامؓ کے معاند فرقہ کو اس امر پر سخت اصرار ہے کہ حضرت فاطمہؓ خلفیہ اوّل سے ناراض گئیں جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ اوّل کو حضرت زہراؓ کے وصال کی اطلاع نہ دی اور حضرت ابو بکرؓ کو خبر کئے بغیر انہیں راتوں رات سپرد لحد کر دیا لیکن علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ رقم فرما ہیں کہ اس تدفین شبانہ کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سیدۃ النساءؓ نے غائت ستر کے خیال سے اسی کی وصیت فرمائی تھی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اطلاع نہ دینے کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت علیؓ کے خیال میں جناب صدیقؓ ان کی رحلت سے بے خبر نہ تھے اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ان کی وفات کا حال معلوم نہ ہوا تھا یا یہ کہ انہوں نے نماز جنازہ میں شرکت نہ فرمائی تھی۔ (فتح الباری)

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے ارث نبوی عطاء کئے جانے کا مطالبہ

حضرت ابو بکرؓ کے انکار اور جناب سیدہؓ کی مراجعت کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ بارگاہ خلافت میں پہنچے۔ حضرت عباسؓ نے کہا: امیر المؤمنین! میں فخر

الاوّلین والآ خرین ﷺ کا چچا ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کا ترکہ دلایئے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری بیوی رسول خدا کی دختر ہیں۔ اس لئے مجھے آپ ﷺ کی بیٹی کا حصہ عطاء فرمایئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کو بھی وہی جواب دیا جو اس سے پیشتر حضرت سیدہؓ کو دے چکے تھے اور یہ دونوں حضرات واپس چلے آئے۔ (مسلم، ابوداؤد)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سید انبیاء ﷺ کی حدیث کہ پیغمبروں کے املاک کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ بہت کم لوگوں نے سنی ہوئی تھی اور جنہوں نے سنی تھی ان میں سے بھی اکثر اسے مرور زمانہ کے ساتھ نسیا منسیا کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عباس اور حضرت علی علیہما کے خیال سے بھی اتر چکی تھی۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں حضرت خلافت پناہ ﷺ کا انکاری جواب سن لینے کے باوجود وارث نبوی کا مطالبہ کرتیں لیکن آگے چل کر قارئین کرام پڑھیں گے کہ ان دونوں بزرگوں نے بھی آخر کار شاید دوسروں کے یاد دلانے پر حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اقرار کیا کہ واقعی یہ آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے اور اس عامۃ الورود نسیان کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس کا تعلق عامۃ الناس سے نہ تھا۔ اس لئے ہزار ہا دوسری حدیثوں کی طرح اس کی روایت عام نہ ہوئی بلکہ نہایت محدود رہی۔ کیونکہ امہات المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ ارث سے پہلے اس کی روایت کا کبھی کوئی موقع ہی پیش نہ آیا تھا۔ اگر ترکۂ نبوی کی ضرورت بھی دوسرے اہم دینی مسائل کی طرح کثیر الوقوع ہوتی تو کوئی کان اس سے ناآشنا نہ رہتا۔

قلیل الوقوع جزئیات کی روایت محدود رہنے کی ایک مثال

یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ضروریات دین کی تو ہر زمانہ میں کثرت سے روایت ہوتی رہی لیکن جو مسائل بعض مخصوص حالات اور قلیل الوقوع جزئیات سے متعلق تھے ان کی روایت خاص خاص افراد تک محدود رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بسا اوقات بعض اکابر صحابہؓ بھی ان سے بے خبر رہتے تھے۔ ہر وہ شخص جسے احادیث نبویہ پر کچھ بھی عبور ہے اس ارشاد نبوی سے بے خبر نہ ہوگا کہ ادنیٰ مومن بھی کسی بڑے سے غیر مسلم کو امن دے دے تو ہر مسلمان اس کے عہد امان کا پابند ہو جاتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ قرن اوّل میں اس ارشاد نبوی کو پوری طرح شہرت نصیب نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور پیغمبر خدا ﷺ کے بے شمار دوسرے اصحاب جو ایران کے معرکوں میں حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ

شریک جہاد تھے اس سے بے خبر تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایران کے ایک مقام سابور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کئی روز کے محاصرے کے بعد ایک دن اہل شہر نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے اور تمام لوگ کامل اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسلمان ان کے اطمینان پر حیرت زدہ ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا تم لوگ جزیہ کی شرط پر ہمیں امان دے چکے۔ اب نزاع ومخاصمت کیا رہی؟ سب کو حیرت ہوئی کہ امان کس نے دی؟ آخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ایک غلام نے مخفی طور پر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خودرائی حجت نہیں ہو سکتی۔ اہل شہر کہنے لگے کہ ہم آزاد اور غلام کا فرق نہیں جانتے۔ ایک مسلمان ہی نے ہم سے مصالحت کی ہے۔ بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا۔ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا غلام بھی تو مسلمان ہے۔ اگر غلام نے بھی کسی کو امان دی تو تمام مسلمان امان دے چکے۔

(تاریخ محمد بن جریر طبری)

مدینہ منورہ کی جائیداد کی تولیت

جب امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو حضرت عباس اور حضرت علی علیہما السلام ان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ پیغمبر علیہ السلام کا جو ترکہ مدینہ میں ہے وہ ان کے قبضہ وتصرف میں دے دیا جائے۔ امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ اس جائیداد کی آمدنی اسی طریق پر خرچ کرتے رہو جس طرح خود آنحضرت ﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس شرط کو منظور کیا اور مدینہ منورہ کی جائیداد ان دونوں کے حوالے کر دی گئی اور حضرت علیؓ اس کے منتظم قرار پائے۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے فدک اور خیبر کے دیہات اور وادی القریٰ کے حصہ کو بیت المال کی ضروریات کے لئے اپنی نگرانی میں رکھا۔ مجاہدین کی تیاری، اسلحہ کی خریداری، مسافروں کی خبرگیری اسی آمدنی سے ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ ان جائیدادوں کا اختیار اسی کو حاصل رہے گا جو خلافت کا والی ہوگا۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی خواہش تملیک

خلافت فاروقی کے اواخر میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے پھر خواہش کی کہ

امیر المؤمنین عمرؓ اس جائیداد کو تقسیم کر کے دونوں کو بطور تملیک اس کا قبضہ دے دیں اور معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات نے حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) کو بھی اس بارہ میں اپنا مؤید و ہمنوا بنا لیا تھا۔ چنانچہ مالک بن اوس کا بیان ہے کہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے بلانے پر بارگاہ خلافت میں حاضر تھا۔ اتنے میں دربان نے آ کر اطلاع دی کہ حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بلا لو۔ جب وہ آ کر بیٹھ گئے تو دربان نے آ کر کہا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ بھی آئے ہیں اور اذن چاہتے ہیں۔ حضرت خلافت مآبؓ نے ان دونوں کو بھی بلا لیا۔ جناب عباسؓ کہنے لگے: امیر المؤمنین! میرے اور ان (حضرت علیؓ) کے مابین اس جائیداد کے متعلق فیصلہ کر دیجئے جو رسول اکرم ﷺ بنونضیر، خیبر اور فدک میں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن زبیر اور سعد (رضی اللہ عنہم) بھی بول اٹھے کہ ہاں امیر المؤمنین ان کا فیصلہ کر کے ان کے لئے راحت و تسکین کا سامان کر دیجئے۔

حضرت خلافت مآبؓ کا جواب

خلافت مآب حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا میں تم لوگوں کو اسی خدائے برتر کی قسم دے کر کہ جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ کیا رسول خدا ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاء کسی کے لئے میراث نہیں چھوڑتے بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں واقعی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے بعد جناب عمرؓ نے حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما سے خطاب کر کے فرمایا: اب میں تم دونوں صاحبوں کو بھی "قیوم السموت والارض" کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت رسالت پناہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم پیغمبر میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ دونوں نے اس حدیث کی تصدیق کی۔ اب امیر المؤمنین نے حضرات ستہ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا یہ صحیح نہیں کہ سرور دو جہاں ﷺ فے کی سالانہ آمدنی میں سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سال بھر کا خرچ نکالتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے دوسرے اموال کی طرف اسلامی ضروریات پر خرچ کر دیتے تھے۔ سب نے اس بیان کی توثیق کی۔ اس کے بعد امیر المؤمنین نے حضرت عباس اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ

رسول خداﷺ کے بعد جب ابوبکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو تم دونوں میراث طلبی کے لئے ان کے پاس گئے لیکن انہوں نے تمہارے سامنے آنحضرت کی یہ حدیث پیش کی کہ ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہو جاتا ہے اور خدا گواہ ہے کہ ابوبکرؓ اس قول میں صادق، راشد اور تابع حق تھے۔ پھر فرمایا کہ ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد جب میں ان چیزوں کا منتظم و نگران قرار پایا تو تم دونوں میرے پاس یہ آرزو لے کر پہنچے کہ ترکۂ نبوی تمہارے قبضہ میں دے دیا جائے۔ میں نے اس کو اس شرط پر تمہارے حوالے کر دیا کہ اس کی آمدنی انہی مصارف وضروریات پر خرچ کی جائے جن پر خود حضرت سید البشرﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔ اب تم مکرر میرے پاس آئے ہو اور چاہتے ہو کہ اس جائیداد کو تقسیم کر کے تمہاری ملک میں دے دوں۔ لیکن واللہ! میں اس فیصلہ میں کسی قسم کی کوئی ترمیم وتبدیل نہیں کروں گا اور اگر آپ حضرات اس جائیداد کا اہتمام نہ کر سکتے ہوں تو شوق سے مجھے واپس کر دیجئے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

اس روایت میں خلافت مآبؓ کا دونوں صاحبوں سے فرمانا کہ اب تم چاہتے ہو کہ اس جائیداد کو تقسیم کر کے تمہاری ملکیت میں دے دوں۔ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ تقسیم پیداوار کے متعلق چچا، بھتیجا میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور حضرت عباسؓ کی خواہش کے ماتحت جناب علی المرتضیٰؓ بھی ان کی اس رائے سے متفق ہو گئے تھے کہ رفع اختلاف کے لئے جائیداد کو بانٹ لیا جائے لیکن دونوں حضرات اس حقیقت سے اب تک خالی الذہن تھے کہ نہ یہ جائیداد قابل تقسیم ہے اور نہ کسی تملیک کو قبول کرتی ہے۔

خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کا فدک کو از سر نو مسلمانوں کے لئے وقف کرنا

فدک اور خیبر کے دوسرے گاؤں برابر خلفائے راشدین کے قبضہ واہتمام میں رہے اور ان کی آمدنی انفاقات نبوی کی طرح قومی ضروریات پر صرف ہوتی رہی۔ جب مروان بن حکم اموی کا دور حکومت آیا تو اس نے اس کو اپنی جاگیر بنا لیا لیکن جب اس کے پوتے خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے مروان کی اولاد کو جمع کر کے فرمایا کہ آنحضرتﷺ فدک کی آمدنی اپنے اہل وعیال اور فقراء ومساکین پر خرچ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس آمدنی سے بنی ہاشم کے بچوں کی پرورش فرماتے اور نادار ہاشمی مردوں اور عورتوں کی شادیاں کرا دیتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے آپﷺ

سے التجاء کی تھی کہ فدک انہیں عطاء فرمادیں لیکن آپ ﷺ نے انکار کیا تھا۔ حیات نبوی اور عہد ہائے صدیقی وفاروقی میں فدک کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ ہوتی رہی۔ اس کے بعد میرے دادا مروان نے اپنے عہد حکومت میں اسے اپنی جاگیر بنالیا۔ اب یہ جائیداد میرے قبضہ میں آئی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ حضرت فخر موجودات ﷺ نے جو چیز اپنے لخت جگر (حضرت فاطمہؓ) تک کو دینی گوارا نہ فرمائی۔ اس کا میں کسی طرح حقدار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں فدک کو پھر اسی طرح مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہوں جس طرح کہ یہ زمانہ رسالت میں اور عہد صدیقی وفاروقی میں وقف تھا۔ (ابوداؤد)

ایک معاند گروہ کا اعتراض

ایک فرقہ جو حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم سے بغض رکھتا ہے اعتراض کیا کرتا ہے کہ موضع فدک خواجۂ دوعالم ﷺ کی ذاتی جائیداد تھی کیونکہ یہ مقام صلحاً حاصل ہوا تھا اور اس پر چڑھائی نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے اس جائیداد میں وراثت کا عام قائدہ جاری ہونا چاہئے تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آل رسول ﷺ کو اس سے محروم رکھا۔

لیکن ان صفحات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں گے کہ یہ اعتراض محض ہٹ دھرمی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کو بھی عام والیان ملک کی حالت پر قیاس کیا جائے تو بھی فدک اس حیثیت سے آپ ﷺ کی ذاتی جائیداد تصور نہیں کی جاسکتی کہ یہ وارثوں میں تقسیم ہو جائے کیونکہ یہ گاؤں حاکمانہ حیثیت ہی سے آپ ﷺ کے قبضہ وتصرف میں آیا تھا۔ اگر معاند گروہ کا اعتراض صحیح مان لیا جائے تو چاہئے تھا کہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں اور اس کے بعد بھی اس میں اصول وراثت جاری ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، جناب محمد بن حنیفہ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کی دوسری اولاد ان کی وارث تھی لیکن ان میں یہ جائیداد تقسیم نہ ہوئی۔ امیر المؤمنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے واقعۂ شہادت کے بعد موضع فدک کی جائیداد حضرت حسن مجتبٰیؓ کے عنان اختیار میں آئی جو امر خلافت میں ان کے جانشین تھے لیکن انہوں نے بھی اس جائیداد کو علیٰ حالہ رہنے دیا اور قابل تقسیم نہ سمجھا۔ پس یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل بیت کو ان کے حق سے محروم رکھا تو پھر خود حضرت علیؓ اور جناب حسن مجتبٰیؓ نے اپنے اپنے دور حکومت میں اس جائیداد کو اہل بیتؓ کے معزز ارکان میں

کیوں تقسیم نہ کیا اور امہات المؤمنینؓ کا شرعی حق انہیں کیوں نہ پہنچایا؟

اور لطف یہ ہے کہ ارباب عناد دوسرے مقامات کو جو فدک کی طرح بغیر فوج کشی کے ہاتھ آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ذاتی جائیداد قرار دے کر تو کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ صرف ایک فدک کی نسبت معترض ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں دوسری جائیدادوں کی حیثیت علانیہ وقف عامہ کی سی رہی لیکن فدک کو آپ ﷺ نے اپنے فیض گسترانہ مصارف اور امہات المؤمنینؓ کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اس سے معاندین کو یہ موقع مل گیا کہ آں سرور ﷺ کی ذاتی جائیداد تھی جسے ورثہ میں تقسیم کیا جانا چاہئے تھا۔ حالانکہ حضرت خبیرو بشیر ﷺ اس خیال کے پیش نظر کہ کل کو ان جائیدادوں کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہو، ان کو بذات خود مسلمانوں پر صدقہ کر گئے تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق ام المؤمنین جویریہؓ کے بھائی حضرت عمرو بن حارثؓ کی روایت پہلے درج ہو چکی ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور امیر المؤمنین ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی روایتیں یا ان کے اقرار بھی سطور ماسبق میں ضبط تحریر میں آچکے ہیں۔

اہل زیغ کا اعتراض کہ سلیمان علیہ السلام داؤد خلیفۃ اللہ کے وارث ہوئے

احادیث مذکورہ کے جواب میں جن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متروکات میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ بعض اہل زیغ وضلال کہا کرتے ہیں کہ یہ حدیثیں قرآن کی معارض ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہیں۔ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے والد داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

حالانکہ کلام الٰہی میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد خلیفۃ اللہ کا اندوختہ یا کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد ملی تھی۔ وہ آیت جس سے استدلال کیا جاتا ہے یہ ہے: ''وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ'' ﴿اور سلیمان داؤد علیہ السلام کے جانشین ہوئے اور فرمایا: لوگو! ہمیں (منجانب اللہ) پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم ہوئی ہے۔﴾

اور ظاہر ہے کہ اگر یہاں وراثت سے علم اور نبوت کی جانشینی اور قائم مقامی مراد نہ لی جائے تو آیت کے پہلے حصہ کو اس کے دوسرے ٹکڑے سے جس میں منجانب اللہ پرندوں کی بولی سمجھنے کی استعداد عطاء کئے جانے کا ذکر ہے۔ کوئی ربط نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ اگر نبی

کی اولاد اس کے دنیوی ترکہ کی حقدار ہوتی ہے تو پھر سورۂ مریم کی مندرجہ ذیل آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے اپنے فرزند جلیل یحییٰ علیہ السلام کے متعلق کی تھی اور جس میں وراثت پانے کا ذکر ہے، بے معنی ہو جاتی ہے۔ زکریا علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں دعا کی تھی۔ ''وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ'' ﴿الٰہی مجھے اپنے اقرباء کی طرف سے خوف ہے (کہ مبادا دین میں رخنہ اندازی کریں) اور میری بی بی بانجھ ہے پس اپنی طرف سے مجھ کو ایک جانشین (فرزند) عطاء فرما جو میرا اور نسل یعقوب کا (علم دین میں) وارث بنے۔﴾

اس اس آیت میں وراثت سے وراثت مالی مراد لی جائے تو دعا سراسر بے معنی ٹھہرتی ہے۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ اولاد کو باپ کی جائیداد ہمیشہ ملا ہی کرتی ہے۔ اس کے لئے کسی دعا کی حاجت نہیں تھی۔ دوسرے ظاہر ہے کہ کوئی فرد واحد اپنی ساری نسل کے متروکات کا وارث نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ کہنا کہ وہ آل یعقوب علیہ السلام کا وارث ہو بالکل بے محل ٹھہرتا ہے۔ پس اس قسم کی آیتوں سے جن میں کسی ارث نبوی کا تذکرہ ہو لامحالہ دینی میراث ہی مراد لی جائے گی۔

حسنین رضی اللہ عنہما کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت

الغرض انبیاء کی میراث جو ان کے فرزندوں اور جانشینوں کو ملتی تھی۔ علم و عمل، تقویٰ و طہارت، شجاعت و بسالت، فیاضی و سخاوت وغیرہ قسم کے صفات جمیلہ کی اخلاقی و روحانی وراثت ہوتی تھی نہ کہ مادیات کا قانونی ترکہ جس سے انسان چند روز سے زیادہ متمتع نہیں ہو سکتا۔ مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو جو ہنوز خوردسال تھے لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال میں حریم نبوت میں حاضر ہوئیں اور التماس کی یا رسول اللہ! یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہیں ان کو اپنی کچھ میراث بخشئے۔ فرمایا: میں نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی ارث ہیبت و سیادت اور حسین رضی اللہ عنہ کو جرأت و سخاوت دی ہے۔ (طبرانی فی معجم الکبیر)

ایک شیعہ کو خلیفۂ سفاح کا دندان شکن جواب

شیعہ لوگ فدک کے متعلق امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر طعن کیا کرتے ہیں

کہ انہوں نے میراث پدری نہ دے کر حضرت فاطمۃ الزہراؓ پر ظلم کیا۔ اس اعتراض کے متعلق ایک واقعہ سنئے۔ جب آل عباسؓ کے پہلے بادشاہ خلیفہ سفاح عباسی نے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی کا بیٹا اور خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کا بھائی تھا۔ سریر خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اپنا سب سے پہلا خطبہ دینا شروع کیا تو آل علیؓ میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! جس شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اس کے مقابلہ میں میرا انصاف کیجئے۔ پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ بولا میں اولاد علیؓ سے ہوں اور مجھ پر یہ ظلم ہوا کہ ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کو فدک نہ دیا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ فدک مجھے دلوائیے۔

سفاح نے کہا کہ ابوبکرؓ تم پر بڑا ظلم کرتے رہے؟ بولا ہاں! پوچھا کہ ابوبکرؓ کے بعد کون خلیفہ ہوا؟ اس نے کہا: عمرؓ۔ سفاح نے کہا کہ پھر کون خلیفہ ہوا؟ کہا: عثمانؓ۔ بولا کہ وہ بھی بدستور ظلم پر مصر رہے؟ کہا: ہاں! سفاح نے پوچھا کہ پھر عثمانؓ کے بعد سریر خلافت پر کون بیٹھا؟ راوی کا بیان ہے کہ اب اس رافضی کو ہوش آیا اور اس نے جواب سے پہلوتہی کر کے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا اور بھاگنے کا راستہ سوچنے لگا۔ سفاح نے کہا کہ اگر یہ میرا پہلا خطبہ نہ ہوتا تو میں تیرا سر قلم کر دیتا۔ (تلبیس ابلیس ابن جوزی)

فصل:۲۶ ...... سفر آخرت

سرور کائنات ﷺ کی رحلت کو بنا بر روایت صحیح چھ مہینے گزر رہے تھے کہ حضرت سیدہ عالم سلام اللہ علیہا نے ۳ رمضان ۱۱ھ کو جام مرگ نوش فرمایا۔ (ابن سعد)

اور مخبر صادق ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ: ''میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آ کر مجھ سے ملو گی۔'' پوری ہوئی۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں حضرت سیدہؓ کا قلب حزیں کبھی شگفتہ نہ ہوا۔ (اسد الغابہ)

جس طرح سیدۂ عالمؓ کی تینوں بڑی بہنیں عالم شباب میں رحلت گزین عالم جاوداں ہوئیں۔ اسی طرح یہ بھی عین جوانی میں عازم فردوس ہوئیں۔ رحلت کے وقت ان کا سن مبارک انتیس سال کا تھا۔ یہ عمر اس روایت کی بناء پر ہے جس میں ان کی ولادت پانچ سال قبل از بعثت مذکور ہے۔ ورنہ ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ان کا سن اس سے کم یا زیادہ بنتا ہے لیکن علامہ زرقانی نے اسی روایت کو صحیح بتایا ہے جس سے ان کی عمر انتیس سال ثابت ہوتی ہے۔

تجہیز جنازہ میں جدت

مرض الموت کے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کا وصال کسی ایسے مرض میں نہیں ہوا جو انہیں کچھ دنوں تک صاحب فراش رکھتا۔ حضرت زہراءؓ کے تجہیز جنازہ میں خاص جدت کی گئی۔ کہتے ہیں کہ عورتوں کے جنازے پر جو پردے لگانے کا معمول ہے اس کی ابتداء حضرت سیدہؓ ہی کے حادثہ مرگ سے ہوئی تھی۔ اس سے پیشتر مردوں کی طرح عورتوں کا جنازہ بھی کھلا جاتا تھا۔ جناب سیدہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیسؓ سے بہت مانوس تھیں۔ اسماءؓ پہلے جناب سیدہؓ کے حقیقی عم محترم حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں۔ جب انہوں نے جنگ موتہ میں جام شہادت نوش فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت زہراءؓ کے مزاج مبارک میں انتہاء درجہ کی شرم و حیا تھی۔ جب مرض کی شدت ہوئی تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے فرمایا کہ تم دیکھتی ہو کہ میں کس حالت میں ہوں۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ بچنے کی امید نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے اور یہ مجھے سخت مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ اپنے پہلے شوہر جناب جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ میں رہ چکی تھیں۔ انہوں نے کہا: اے جگر گوشہ رسول ﷺ! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو بنا کر دکھاؤں۔ یہ کہہ کر کھجور کی ٹہنیاں منگوائیں اور ان کے سرے موڑ کر ان کو نصف دائرے کی شکل میں بنایا اور ہر ایک کے دونوں سرے چارپائی کی پٹیوں سے باندھ دیئے۔ پھر ان پر کپڑا تان دیا۔ اس سے پردہ داری کی بہت اچھی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ دیکھ کر حضرت سیدہؓ بہت خوش ہوئیں اور فرمایا: یہ بہترین طریقہ ہے اور میرا جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زہراءؓ کے بعد ام المؤمنین حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔ (اسد الغابہ، مستدرک الحاکم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ اس ہیئت کو دیکھ کر حضرت فاطمہؓ نے تبسم فرمایا۔ حالانکہ جب سے رسول خدا ﷺ کا وصال ہوا تھا۔ میں نے انہیں اس دن کے سوا کبھی متبسم نہ دیکھا تھا۔ (مستدرک الحاکم)

غسل میت

ام سلمیٰؓ کا بیان ہے کہ جب سیدۂ عالمؓ علیل تھیں تو ایک مرتبہ حضرت علیؓ کسی کام

کے لئے گھر سے باہر گئے۔ جناب فاطمہؓ مجھ سے کہنے لگیں کہ میرے لئے غسل کا انتظام کر دو۔ پس نہایت اطمینان کے ساتھ غسل کیا پھر فرمایا کہ میرے نئے کپڑے لا دو۔ میں لے آئی اور ان کو پہن کر کہنے لگیں کہ میرا بستر صحن کے وسط میں کر دو۔ اس کے بعد لیٹ گئیں اور روبقبلہ ہو کر داہنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ عنقریب میری روح قبض کی جائے گی اور چونکہ میں غسل کر چکی ہوں اور نئے کپڑے پہن چکی ہوں۔ اس لئے اب مجھے کوئی نہ کھولے۔ پھر اسی جگہ ان کی روح مطہر جنت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔ (رواہ احمد)

اس روایت کی نسبت علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں: ''وفیہ من لم اعرفہ''

دوسری روایت میں عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہؓ کا وقت رحلت قریب ہوا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میرے لئے غسل کا انتظام کرو۔ چنانچہ غسل کیا اور موٹے کپڑے منگوا کر پہنے اور خوشبو لگائی۔ پھر حضرت علیؓ سے کہا کہ جب میری روح قبض ہو جائے تو مجھے کوئی نہ کھولے اور مجھے اسی طرح انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے۔

(رواہ الطبرانی وابونعیم فی الحلیۃ)

لیکن عبداللہ بن محمد نے حضرت فاطمہؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ پس یہ روایت منقطع ہے۔

ان دونوں روایتوں سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے لئے وہی غسل کافی سمجھا گیا جو انہوں نے رحلت سے پیشتر خود کیا تھا۔ بعد از مرگ کا کوئی غسل نہیں دیا گیا۔ مگر یہ امر روایۃً و درایۃً کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ روایۃً اس لئے کہ اس کے اسناد قابل اعتناء نہیں اور درایۃً اس واسطے کہ میت کو غسل نہ دینا شریعت حقہ کے بالکل خلاف ہے۔ حضرت سیدۃ النساءؓ سے یہ امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ ایک نامشروع فعل کی وصیت فرماتیں۔

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے غسل دیا تھا۔ (ابن سعد)

اور چوتھی روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور محترمہ اسماء بنت عمیسؓ دونوں نے غسل دیا۔ چنانچہ ابوعمر ناقل ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے وصیت کی تھی کہ مجھے علیؓ اور اسماء غسل دیں، لیکن ابن فتحون نے اس کو بعید از فہم خیال کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور اسماء بنت عمیسؓ نے مل کر غسل دیا ہو۔ کیونکہ اسماء بنت عمیسؓ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجیت میں تھیں۔ (اصابہ)

اور یہ امر قرین قیاس نہیں کہ وہ غسل دیتے وقت اپنے وہ اعضاء حضرت علیؓ کے سامنے کھولیں جن کا غیر محرم سے مخفی رکھنا ضروری تھا۔ بہرحال غسل کی روایتوں میں سخت

اختلاف واضطراب پایا جاتا ہے اور اصل یہ ہے کہ بیوی کو تو شوہر کے غسل دینے کی اجازت ہے کیونکہ عورت جب تک عدت میں ہے اس کا نکاح باقی ہے لیکن شوہر کے لئے جائز نہیں کہ اپنی متوفیہ بیوی کو ہاتھ لگائے یا اس کی طرف دیکھے۔ کیونکہ بیوی کی موت کے ساتھ ہی اس کا نکاح فی الفور ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ حنفی مذہب میں ہے لیکن امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیوی کی طرح شوہر بھی بیوی کو غسل دینے کا مجاز ہے کیونکہ حضرت علیؓ نے جناب زہراءؓ کو غسل دیا تھا لیکن علامہ عینی حنفیؒ نے ''شرح المجمع'' میں لکھا ہے کہ بروایت صحیحہ سیدہ فاطمہؓ کو حضرت ام ایمنؓ نے غسل دیا تھا۔ پس حضرت علیؓ کے غسل دینے کی روایت اگر صحیح مان لی جائے تو اس کو غسل کے اہتمام وانتظام اور تہیہ وقیام پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اپنے ہاتھ سے غسل دینے پر۔

اور اگر حضرت علیؓ کے غسل دینے کی روایت صحیح مان لی جائے تو پھر اس تاویل کے بغیر بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جناب علی المرتضیٰؓ کے غسل دینے کا علم ہوا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت علیؓ نے اپنے فعل کے جواز میں یہ عذر پیش کیا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؓ دنیا اور آخرت میں تمہاری زوجہ ہیں۔ (شامی)

حضرت علیؓ کے فعل کے جواز میں مخبر صادق ﷺ کی یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ ''كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا سَبَبِىْ وَنَسَبِىْ'' ﴿موت تمام سببوں اور نسبوں کو منقطع کر دیتی ہے۔ بجز میرے سبب اور نسب کے کہ وہ بحال رہتا ہے۔﴾ اس حدیث میں لفظ سبب سے قرابت سببیہ جیسے زوجیت ومصاہرت اور نسب سے قرابت نسبیہ مراد ہے۔ پس حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کی رحلت کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کا سبب اور نسب دونوں بحال رہے۔

سبب ونسب نبوی کی بقاء کی بناء پر ہی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے سیدۃ النساءؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے نکاح کیا تھا اور کلام پاک میں جو یہ آیا ہے کہ: ''فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ'' ﴿قیامت کے دن لوگوں میں نسبی تعلق نہ رہ جائیں گے۔﴾ تو اس عموم سے آنحضرت ﷺ کا نسب مبارک مستثنیٰ ہے اور یہ جو حدیث میں مروی ہے کہ سید عالم ﷺ نے اپنی پھوپھی صفیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے فرمایا تھا کہ: ''لَا اُغْنِىْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ

شَيْئًا ''اس کا یہ مطلب ہے کہ میں تمہارے لئے کسی بات کا مالک نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کا مالک بنادے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی شفاعت باذن اللہ نافع ہوگی۔ غرض حضرت علیؓ کی خصوصیت اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے علماء (ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک بھی شوہر کا متوفیہ بیوی کو غسل دینا ناجائز ہے۔ جیسا کہ حنفی مذہب نے ناجائز رکھا ہے۔

نماز جنازہ

حضرت زہراءؓ نے وصیت کی تھی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت کم لوگوں کو نماز جنازہ میں شرکت کرنے کا موقع مل سکا۔ رات کے وقت ان کا انتقال ہوا اور حضرت علیؓ نے وصیت کے مطابق رات ہی کو انہیں سپرد لحد کردیا۔ (اسد الغابہ، طبقات ابن سعد)

دوسرے دن بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس کا شکوہ کیا کہ ہمیں اطلاع نہ دی گئی ورنہ ہم بھی نماز جنازہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے۔ حضرت علیؓ نے عذر کیا کہ مرحومہ نے وصیت کی تھی کہ جونہی روح تن سے مفارقت کرے، مجھے رات کی تاریکی میں دفن کردینا تاکہ کسی نامحرم کی نظر میرے جنازہ پر نہ پڑے۔ (مدارج النبوۃ)

شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح حضرت زہراءؓ کا حلیہ کمال زندگی میں نظر اغیار سے پوشیدہ تھا، اسی طرح ان کا جمال عصمت بعد از مرگ بھی نامکشوف رہا اور حقیقت یہ ہے کہ اس عفت مآبؓ کی وصیت کے مطابق کسی کو ان کی وفات اور تدفین کی اطلاع نہ دی گئی اور حضرت علیؓ اور چند اہل بیتؓ کے سوا کوئی شخص ان کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں حاضر نہ ہوسکا اور رات ہی کے وقت تدفین عمل میں لائی گئی۔ (جذب القلوب)

شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ لوگوں میں یہی مشہور ہے اور روضۃ الاحباب وغیرہ کتب میں یہی مذکور ہے لیکن ایک اور روایت میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہم) کا نماز جنازہ میں شریک ہونا بھی مروی ہے۔ (مدارج النبوۃ)

نماز جنازہ کے متعلق چار روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عباسؓ نے پڑھائی اور حضرت عباس اور حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہم) نے انہیں قبر میں اتارا۔ (ابن سعد)

اور ابن سعد کی دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت علیؓ نماز جنازہ کے امام ہوئے تھے لیکن ابن سعد کی دو اور روایتوں میں مذکور ہے کہ جناب زہراءؓ کی نماز جنازہ

امیرالمؤمنین حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی تھی۔ واللہ اعلم!

حضرت علیؓ کا حزن وملال

حضرت علی المرتضیٰؓ جب سیدۃ النساءؓ کو سپردخاک کرنے کے بعد گھر واپس تشریف لائے تو سخت مغموم ومحزون تھے اور شدت غم والم میں یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

اَرٰی عِلَلَ الدُّنْیَا عَلَیَّ کَثِیْرَۃً   وَصَاحِبِھَا حَتّٰی الْمَمَاتَ عَلِیْلٌ
لِکُلِّ اِجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِیْلَیْنِ فُرْقَۃٌ   وَکُلُّ الَّذِیْ دُوْنَ الْفِرَاقِ قَلِیْلٌ
وَاِنِ افْتِقَادِیْ فَاطِمَۃَ بَعْدَ اَحْمَدَ   دَلِیْلٌ عَلٰی اَنْ لَّا یَدُوْمَ خَلِیْلٌ

(میں دیکھتا ہوں کہ مجھ میں دنیا کی بیماریاں بکثرت جمع ہوگئی ہیں اور اہل دنیا جب تک دنیا میں ہیں بیمار ہیں۔ ہر اجتماع ویک جائی کے بعد دوستوں سے مفارقت ہونا لازم ہے اور وہ زمانہ جو فراق کے سوا ہوتا ہے تھوڑا ہے۔ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کے بعد فاطمہؓ کی مفارقت اس امر کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا)   (حاکم فی المستدرک وغیرہ)

حضرت علیؓ روزانہ جناب زہرائے بتولؓ کی قبر پر تشریف لے جاتے اور اشک بار ہوکر یہ شعر پڑھتے ؎

مَا لِیْ مَرَرْتُ عَلَی الْقُبُوْرِ مُسْلِماً   قَبْرَ الْحَبِیْبِ فَلَمْ یَرُدَّ جَوَابِیْ
یَاقَبْرَ مَالَکَ لَا تُجِیْبُ مُنَادِیاً   اَمُلِلْتَ بَعْدِیْ خُلَّۃَ الْاَحْبَابِ

(خدایا یہ میری کیا حالت ہے کہ میں قبروں پر سلام کرنے آتا ہوں لیکن محبوب کی قبر میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیتی۔ اے قبر! تجھے کیا ہوا کہ پکارنے والے کو کوئی جواب نہیں دیتی۔ کیا تو احباب کی محبت سے رنجیدہ ہوگئی ہے؟) (الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ص ۳۶۰)

مرقد منور

حضرت زہراءؓ کے محل دفن میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی قبر بقیع میں اس مقام پر ہے جہاں تمام اہل بیتؓ نبوت آسودہ ہیں۔ اس قول کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ امام المسلمین حضرت حسن مجتبیٰؓ نے عالم صوری سے رخصت ہوتے وقت وصیت کی تھی کہ اگر لوگ میرے جد محترم سرور عالم ﷺ کے پہلو میں دفن کئے جانے سے مانع ہوں تو پھر مجھے والدۂ مکرمہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے مرقد مطہر کے پاس دفن کیا جائے۔   (مدارج)

فصل: ۲۷ ...... حضرت علیؓ کی قدر و منزلت اور ہردلعزیزی پر جناب زہراءؓ کی رحلت کا اثر

اسلام میں حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کا پایۂ عظمت بہت بلند ہے۔ ان کی اس عظمت پر اس وقت اور بھی چار چاند لگ گئے تھے جب ان کو حضور سرورانام ﷺ کے لخت جگر جناب زہرائے بتول علیہا السلام کا شرف زوجیت نصیب ہوا تھا۔ جب تک حضرت زہراءؓ اس سرائے فانی میں تشریف فرما رہیں۔ حضرت علیؓ لوگوں کی آنکھوں کا تارا بنے رہے لیکن جب جناب بتولؓ اس سرائے فانی سے رخصت ہوئیں تو حضرت علیؓ کی یہ عدیم النظیر عظمت ومقبولیت بھی معرض زوال میں آ گئی۔ (صحیح بخاری)

فتح الباری سے یہاں اس اجمال کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

حضرت علیؓ سے قوم کی کشیدگی

حضرت فاطمہؓ اپنے والد معظم ﷺ کے وصال کے چھ مہینے بعد تک قید حیات میں رہیں۔ ان کے حین حیات لوگ ان کے اکرام کی وجہ سے حضرت علیؓ کا بڑا احترام کرتے تھے لیکن جب وہ دنیا سے رحلت فرما گئیں اور حضرت علیؓ نے امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ کے آمد و رفت کا سلسلہ جاری نہ کیا تو لوگ ان کے احترام میں کمی کرنے لگے۔ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں تو لوگ حضرت علیؓ کے تخلف کی ایک وجہ یہ قرار دیتے رہے کہ سرور دو جہاں ﷺ کے صدمہ مفارقت میں حضرت زہراءؓ کی تسکین اور دلجوئی میں منہمک رہنے کے باعث حضرت علیؓ کہیں اور جگہ نہیں جاتے۔ دوسری وجہ یہ سمجھی گئی کہ چونکہ حضرت فاطمہؓ میراث پدری کا مطالبہ مسترد کر دینے کی بناء پر امیر المؤمنین ابوبکرؓ سے ناخوش ہیں۔ اس لئے حضرت علیؓ بھی ان کی موافقت میں امیر المؤمنینؓ سے علیحدہ ہیں لیکن جب حضرت علیؓ جناب فاطمہؓ کی رحلت کے بعد بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے الگ تھلگ رہے تو لوگ حضرت علی المرتضٰیؓ سے کشیدہ خاطر رہنے لگے۔

حضرت علیؓ کا عزم بیعت

حضرت علیؓ نے وصال نبوی کے بعد چھ مہینہ تک یعنی جناب زہراءؓ کی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی لیکن جب حضرت فاطمہؓ کی رحلت کے بعد انہوں نے

دیکھا کہ مسلمان ان سے کشیدہ ہیں تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مصالحت کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیے لیکن کسی دوسرے کو اپنے ساتھ نہ لائیے۔ حضرت علیؓ نے یہ قید اس لئے لگائی کہ کہیں وہ حضرت عمرؓ کو ساتھ نہ لے آئیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کا قول اور فعل درشتی اور سختی سے ہمکنار تھا اور حضرت ابوبکرؓ نہایت نرم مزاج اور رقیق القلب تھے۔ گویا حضرت علی المرتضیٰؓ کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ کہیں عمرؓ آ کر قہر و عتاب کا شیوہ اختیار نہ کریں اور اس طرح ان کا مقصد مودّت و اخلاص فوت نہ ہو جائے۔

خلافت مآب ﷺ حضرت علیؓ کے دولت کدہ پر

لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت خلافت مآبؓ کو تنہاء جانے سے اس خدشہ کے پیش نظر منع کیا کہ مبادا وہ لوگ ان کے احترام میں کوتاہی کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: نہیں۔ وہ میرے ساتھ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تنہاء تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ نے خلیفہ رسول اللہ سے فرمایا: ہم آپ کی قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں اور اس فضیلت سے بے خبر نہیں جس سے رب جلیل نے آپ کو نوازا ہے۔ ہم کو آپ کی خلافت پر کچھ حسد بھی نہیں ہوا تھا لیکن ہمیں آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے امر خلافت میں ہم سے مشورہ نہ کیا۔ حالانکہ اس قرابت کے لحاظ سے جو ہمیں رسول اکرم ﷺ سے ہے ہم اس بات کے مستحق تھے کہ آپ ہم کو مشورہ میں شریک کرتے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اشک بار ہو گئے اور فرمایا: مجھے اسی خدائے برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت اپنی صلہ رحمی سے کہیں زیادہ محبوب ہے اور ترکۂ نبوی کے متعلق میرا آپ حضرات سے جو اختلاف ہوا، اس میں بھی میں نے حق و صدق سے انحروف نہیں کیا اور کوئی امر ایسا نہیں چھوڑا جسے رسول اکرم ﷺ کرتے ہوں اور میں نے اس سے اغماض و اجتناب برتا ہو۔

حسب بیان مازری حضرت علیؓ اور دوسرے ہاشمیوں کو بیعت خلافت کے مشورہ میں شریک نہ کرنے کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے یہ عذر کیا کہ اگر بیعت میں تاخیر کی جاتی تو انصار کی طرف سے اختلاف رونما ہونے کا خدشہ تھا۔

عقد بیعت

اس کے بعد حضرت علیؓ نے وعدہ فرمایا کہ میں ظہر کے بعد آپ سے بیعت کروں گا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد وثناء کے بعد حضرت علیؓ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے اور ان اسباب پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے حضرت علیؓ نے بیعت کرنے میں تاخیر کی تھی اور حضرت علیؓ کی طرف سے اس تاخیر کی عذرداری کی اور استغفار کر کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد علیؓ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل بیان کر کے فرمایا کہ ہمارا بیعت سے پیچھے رہنا کسی حسد اور بخل پر مبنی نہ تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ ہمیں حضرت ابوبکرؓ کے ان فضائل ومناقب سے انکار تھا۔ جن سے رب کردگار نے انہیں نوازا اور موصوف کیا ہے۔ البتہ ہمیں یہ شکایت تھی کہ بیعت خلافت کے صلاح ومشورہ میں ہم کو شریک نہ کیا گیا۔ حالانکہ ہم اس کے حقدار تھے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت اور سابقیت بیان کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت علیؓ بھی بیعت صدیقی میں داخل ہو گئے تو اس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی محبت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ میں جو شکر رنجی ہوئی اور اس کے بعد دونوں نے باہم معذرت کر کے آپس میں صفائی کر لی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے کے احترام اور جذبۂ محبت میں متفق تھے اور گو بشریت بھی کبھی کبھی رونمائی کر جاتی تھی۔ تاہم انجام کار خلوص ودیانت ہی نے بشریت پر قبضہ پایا۔

یہ بیعت بیعت ثانیہ تھی

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قضیۂ بیعت کا ایک اور روشن پہلو بھی پیش کیا جائے۔ ابن حبان وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ نے بھی حضرت خلافت مآبؓ کے ہاتھ پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شروع ہی میں بیعت کی تھی اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ علیؓ نے اس وقت تک بیعت نہ کی جب تک سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے رحلت نہ فرمائی۔ بیہقی نے اس بیان کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت جس میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا شروع ہی میں

بیعت کرنا مذکور ہے۔ سب روایتوں میں زیادہ صحیح ہے۔

اور بعض علماء نے بخاری اور ابن حبان کی متذکرہ صدر روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ بیعت تو حضرت علیؓ نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی کی تھی لیکن چند مہینوں تک میراث نبوی کے متعلق باہم جو غلط فہمی اور شکررنجی رہی، اس کی وجہ سے حضرت علیؓ نے سیدۃ النساءؓ کی رحلت کے بعد تجدید بیعت کو ضروری خیال فرمایا۔ پس بخاری کی روایت میں حضرت علیؓ کی جس بیعت کا ذکر آیا ہے کہ نماز ظہر کے بعد ہوئی وہ ان کی بیعت ثانیہ تھی۔ (فتح الباری)

فصل: ۲۸ ...... اولاد اطہارؓ

حضرت فاطمہؓ کے بطن مبارک سے یہ چار اولادیں متولد ہوئیں۔ حسن، حسین، ام کلثوم اور زینب (رضی اللہ عنہم) (اسد الغابہ)

یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے لیکن بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ محسن اور رقیہ بھی جنہوں نے زمان طفولیت میں وفات پائی تھی جناب زہراءؓ کے بطن اطہر سے متولد ہوئے تھے۔ (زرقانی و مدارج)

سرور کائنات ﷺ کی صاحبزادیوں میں صرف حضرت زہرائے بتولؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آنحضرت ﷺ کی نسل مبارک باقی رہی اور پھر حضرت فاطمہؓ کی ذریت مطہرہ میں بھی سبطین یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین ؑ کو یہ شرف نصیب ہوا کہ ان دونوں کی جہت سے حبیب رب کردگار ﷺ کی نسل آفاق عالم میں پھیلی۔ اوّل الذکر اولاد کو حسنی اور ثانی الذکر کو حسینی کہتے ہیں۔ (مواہب لدنیہ)

اب ذریت طیبہ میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو محمد حسن مجتبیٰؓ نصف رمضان ۳ھ میں متولد ہوئے۔ حضرت خیر البشر ﷺ نے انہیں حسنؓ کے نام سے موسوم فرمایا۔ عہد جاہلیت میں کبھی کسی کا یہ نام نہ رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے تولد کے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور بال اتروائے اور حکم دیا کہ بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

رسول اللہ ﷺ کو محبت

حضرت ہادی انام ﷺ کو ان سے جو محبت تھی اس کا ثبوت ذیل کی چند رواتیوں سے مل سکتا ہے۔ ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ کی چچی ام الفضلؓ جو حضرت عباسؓ کی زوجۂ محترمہ تھیں، عرض پیرا ہوئیں: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا ایک عضو میرے گھر میں ہے۔ اس کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا: تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ فاطمہؓ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ پھر حضرت حسنؓ پیدا ہوئے اور ام الفضلؓ نے ان کو دودھ پلایا۔ حضرت ام الفضلؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس نونہال کو سید کائنات ﷺ کی خدمت میں لائی اور آپ کی گود میں بٹھا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر پیشاب کر دیا۔ میں نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا۔ (کہ تم نے یہ کیا حرکت کی) آپ ﷺ نے فرمایا: ام الفضل! اللہ تم پر رحم کرے تم نے میرے بیٹے کو تکلیف دی۔ (ابن ماجہ)

آپ ﷺ حضرت حسنؓ کو چومتے اور پیار کیا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول انہیں پیار کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اقرع بن جابس نام ایک صاحب کہنے لگے میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص مہربانی نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو محبت سے خالی کر دے تو میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔

(بخاری و مسلم کتاب الادب)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دن کے وقت پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ چلا۔ آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی نسبت دریافت کیا کہ کیا لڑکا یہاں ہے؟ اتنے میں حسنؓ دوڑتے ہوئے آ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں گلے سے لگا لیا اور فرمایا: الٰہی! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب بنا اور اس شخص کو بھی دوست رکھ جو اسے دوست رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ رسول خدا ﷺ سجدہ میں ہوتے۔ حسن کھیلتے ہوئے آتے اور آپ ﷺ کی پشت یا دوش مبارک پر چڑھ بیٹھتے تو آپ ﷺ اس وقت تک نہ اتارتے جب تک وہ خود ہی اتر نہ جاتے۔ بسا اوقات آپ ﷺ رکوع میں ہوتے تو حسنؓ آپ کے قدموں کے نیچے میں سے نکل جایا کرتے۔ (ابن سعد)

ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام نے جناب حسن مجتبیٰؓ کو اپنے دوش مبارک پر سوار کر رکھا تھا۔ ایک شخص کہنے لگا لڑکے کیسی اچھی سواری ہے جس پر تو سوار ہے یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی تو اچھا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوبکرؓ صحابی کا بیان ہے کہ میں نے سرور انبیاء علیہ السلام کو ایسی حالت میں منبر پر دیکھا کہ حسن بن علیؓ آپ ﷺ کے پہلو میں تھے۔ آپ ﷺ ایک مرتبہ تو حاضرین کی طرف توجہ کرتے اور دوسری دفعہ حضرت حسنؓ کی طرف التفات فرماتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ خدائے برتر اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بہت بڑی جماعتوں میں مصالحت کرائے گا۔ (بخاری)

امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ کی رحلت کے بعد مسلمان دو فرقوں میں منقسم تھے۔ ایک فرقہ حضرت حسن مجتبیٰؓ کے زیر قیادت تھا اور دوسرا حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ چونکہ حضرت حسنؓ خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ اس لئے فریقین میں سے حضرت حسنؓ حق پر تھے اور ان کے استحقاق کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا: ''اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً'' (خلافت میرے بعد تیس سال تک ہوگی) اور امیر المؤمنین علیؓ کے حادثہ شہادت سی سالہ خلافت راشدہ میں سے ابھی چھ ماہ کی مدت باقی تھی کہ حضرت حسنؓ نے مسند خلافت کو مزین فرمایا: لیکن انجام کار اس شفقت کے جذبہ نے جو انہیں اپنے جد محترم کی امت پر تھی انہیں آمادہ کیا کہ دنیوی ملک کو ترک کر کے ملک آخرت کی رغبت فرمائیں۔ چنانچہ مسند خلافت پر قدم رکھے۔ ابھی چھ ہی مہینے گزرے تھے کہ خلافت اسلامیہ امیر معاویہؓ کو سپرد کر کے ان سے صلح کر لی اور آنحضرت ﷺ کی متذکرہ صدر پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ہر چند کہ ان کا فریق مقابل حق پر نہ تھا۔ تاہم یہ حدیث اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ دونوں فریق ملت اسلام پر تھے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت حسنؓ کا امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کرنا امارت معاویہؓ کی صحت کی دلیل ہے۔

صحابہ کرامؓ کو حضرت حسنؓ سے محبت

سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو اس وقت حضرت حسنؓ کی عمر قریباً سات سال کی تھی۔ حضرت خلافت مآب

امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ بھی ان سے اسی طرح محبت اور پیار کرتے تھے جس طرح خود سرور عالم ﷺ انہیں چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نماز عصر پڑھ کر مسجد نبوی سے باہر نکلے۔ جناب علی المرتضیٰؓ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں ایک جگہ حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حسنؓ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ حسن نبی ﷺ کے مشابہ ہیں۔ علیؓ کے مشابہ (یعنی ہم شکل) نہیں اور حضرت علیؓ (خوشی سے) ہنس رہے تھے۔ (صحیح بخاری)

صحابہ کرامؓ کے دل میں اولاد فاطمہ کی جو عزت وتوقیر تھی اس کو مندرجہ ذیل واقعات پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

بلالؓ کا شام سے مدینہ طیبہ میں ورود

حضرت بلالؓ عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے تھے۔ یہاں کی سرسبز وشاداب سرزمین انہیں پسند آ گئی۔ جب شام اسلامی قلمرو میں داخل ہو چکا تو حضرت بلالؓ نے امیر المومنین عمرؓ سے سکونت شام کی اجازت طلب کی۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور انہوں نے وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضور خواجہ عالم ﷺ فرماتے ہیں: اے بلالؓ! یہ کیا جفا ہے جو مجھ پر روا رکھتے ہو اور میری زیارت کو نہیں آتے۔ بلالؓ معاً دار الہجرت کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مدینۃ الرسول پہنچے تو سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کے صاحبزادے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ دونوں صاحبزادے تو موجود ہیں لیکن ان کی والدۂ طاہرہ اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ حضرت بلالؓ یہ سن کر رونے لگے اور شاہزادگان حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر تعزیت کی۔

اہل مدینہ کی خواہش تھی کہ بلالؓ آنحضرت ﷺ کے زمان سعادت نشان کی یاد تازہ کرنے کے لئے ایک دفعہ پھر اذان دیں لیکن کسی شخص کی مجال نہیں تھی کہ بلالؓ کو اس کا حکم دیں۔ آخر حضرت حسن مجتبیٰؓ سے کہا گیا کہ آپ ان سے کہیں تو عجب نہیں کہ آپ کی بات مان جائیں۔ حضرت حسنؓ نے انہیں اذان کے لئے کہا: حضرت بلالؓ اسی جگہ پر جہاں سرور دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سعادت میں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ آئے اور اذان دینی

شروع کی۔ جب اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو لوگوں کے دلوں میں ہیبت طاری ہوئی اور سب لوگ عہد نبوی کو یاد کر کے رونے لگے۔ جب فرمایا: ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ'' تو شہر میں ایک کہرام مچ گیا اور جب ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' تو یہ حالت تھی کہ شہر کے در و دیوار لرز رہے تھے اور زن و مرد اور بچے بوڑھے رسول اللہ کی مفارقت پر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اس وقت ہر شخص بے حال تھا۔ نہ بلالؓ میں اذان کی سکت باقی رہی اور نہ سننے والوں کے ہوش و حواس برقرار تھے۔ غرض اسی حالت گریہ و بکا میں اذان ناتمام رہ گئی۔ (اسد الغابہ، واشعۃ اللمعات)

ایک صحابیؓ کے پاس حسن مثنیٰ کا پیغام نکاح

ایک اور واقعہ سنئے: حضرت حسن مجتبیٰؓ (بن امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہما السلام) کے صاحبزادہ حسن مثنیٰؒ نے حضرت مسور بن مخرمہ صحابیؓ کے پاس ان کی صاحبزادی کے لئے پیام نکاح بھیجا۔ مسورؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ رات کے وقت مجھ سے ملئے۔ حسن مثنیٰؒ ان کے پاس گئے۔ حضرت مسورؓ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے کوئی نسب اور کوئی سبب اور کوئی صہر تمہاری نسب، سبب اور صہر سے زیادہ محبوب نہیں ہے لیکن رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا کہ فاطمہؓ میرے تن کی ایک شاخ ہے۔ جو بات فاطمہؓ کو منقبض کرتی ہے۔ اس سے مجھے بھی انقباض و ملال ہوتا ہے اور جس چیز سے فاطمہؓ کو انبساط ہوتا ہے وہ مجھے بھی شگفتہ اور منبسط کرتی ہے اور سرور عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میرے نسب، سبب اور صہر کے سوا تمام نسب منقطع ہو جائیں گے، اور آپ کے گھر میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی بیٹی (یعنی پوتی فاطمہ صغریٰ بنت حضرت حسین بن علی علیہما السلام) ہے۔ اگر میں اپنی لڑکی آپ کی زوجیت میں دے دوں تو اس سے آپ کی زوجۂ مطہرہ (فاطمہ صغریٰؓ) کو انقباض ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی خواہش کی تعمیل سے معذور ہوں۔ حضرت حسن مثنیٰؒ ان کو معذور سمجھ کر چلے آئے۔ (رواہ احمد واخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال الذہبی صحیح)

حضرت ابو عبد اللہ حسینؓ

حضرت ابو عبد اللہ امام حسنؓ اپنے بھائی حسن مجتبیٰؓ سے قریباً ایک سال چھوٹے تھے۔ ۴ھ میں متولد ہوئے۔

حضرت حسینؓ کی فضیلت

یعلی بن مرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔ خدائے قدوس اس شخص کو دوست رکھے جو حسینؓ کو دوست رکھتا ہے۔ حسینؓ اسباط (فرزندوں) میں سے ایک سبط ہیں۔ (ترمذی)

سبط دراصل اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہت سی شاخیں ہوں اس ارشاد سے جناب مخبر صادق ﷺ کو یہ جتلانا منظور تھا کہ حسینؓ کی نسل خوب پھیلے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت حسینؓ نہایت حسین وجمیل اور اپنے جد امجد ﷺ کے ہم شکل تھے۔ چنانچہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک کوفے لایا گیا اور عبداللہ بن زیاد حاکم کوفہ کے سامنے ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو وہ (شقی) اپنی چھڑی کا سرا آپ کے رخ انور پر لگانے لگا۔ اس کے بعد ان کے حسن وجمال کی تعریف کی۔ پیغمبر خدا ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ نے (جو سر مبارک کے لائے جانے کی خبر سن کر سراسیمہ وار کوفہ کے دارالامارت میں جا پہنچے تھے) فرمایا: واللہ! یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اس وقت حضرت حسینؓ نے (سر اور ریش مبارک پر) وسمہ کا خضاب کر رکھا تھا۔ (صحیح بخاری)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا تو عبیداللہ بن زیاد درخت کی ایک شاخ (جو اس کے ہاتھ میں تھی) ان کی ناک پر لگانے لگا اور بولا میں نے آج تک کسی کو ایسا حسین وجمیل نہیں دیکھا۔ حضرت انس کہنے لگے یہ پیغمبر خدا ﷺ کے سب سے زیادہ ہم شکل تھے۔

سرور انبیاء کو شہادت حسینؓ کے حادثہ فاجعہ کا رنج وملال

حضرت حامل وحی ﷺ نے حضرت حسینؓ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ کی پہلے سے خبر دی تھی اور اس پر بہت کچھ رنج وقلق فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی چچی محترمہ ام الفضل بنت حارثؓ (جو ام المؤمنین میمونہؓ کی ہمشیر اور حضرت ابن عباسؓ کی والدہ محترمہ تھیں) کا بیان ہے کہ میں پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور گزارش کی۔ یا رسول اللہ! میں نے آج رات ایک برا خواب دیکھا ہے۔ فرمایا وہ کیا خواب ہے؟ میں نے التماس کی وہ طبیعت پر ایسا شاق ہے کہ بیان کا یارا نہیں۔ فرمایا: آخر وہ کیا خواب ہے؟ میں نے کہا میں نے دیکھا کہ

آپ کے جسد مبارک کا ایک ٹکڑا قطع ہو کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: (ام الفضل!) تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ ان شاء اللہ! عنقریب فاطمہؓ کے ہاں فرزند تولد ہوگا اور وہ (تربیت کے لئے) تمہاری گود میں رکھا جائے گا۔ پس فاطمہؓ نے حسینؓ کو جنا اور حسب اطلاع نبوی حسینؓ میری گود میں رہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور میں نے حسینؓ کو آپ ﷺ کی گود میں دیا۔ آپ ﷺ اشک بار ہو گئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے اطلاع دی کہ عنقریب میری امت کے لوگ میرے اس فرزند کو قتل کریں گے۔ میں نے (حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے) کہا: کیا اس بچے کو؟ فرمایا: ہاں! اور جبریل نے مجھے وہاں کی سرخ مٹی بھی دکھائی ہے۔ (بیہقی فی دلائل النبوۃ واحمد الاخیر)

اسی طرح سلمٰیؓ سے (جو ابراہیم علیہ السلام بن رسول اللہ ﷺ کی دایہ تھیں) روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں (سرور انبیاء ﷺ) کے وصال کے بعد ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس گئی اور دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے کہا: ام المومنینؓ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے پیغمبر خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کا سر اور ریش مبارک خاک آلود ہے۔ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ ﷺ کا جسد اطہر خاک آلود کیوں ہے؟ فرمایا: میں حسینؓ کے حادثہ قتل کو دیکھ کر آیا ہوں۔ (ترمذی)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے ۵۹ھ میں داعی حق کو لبیک کہا اور حضرت حسینؓ کا واقعہ شہادت ۶۱ھ میں ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ ام المومنین ام سلمہؓ کو یہ واقعہ قبل از وقوع خواب میں دکھایا گیا کہ عنقریب یوں ہونے والا ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

لیکن دراصل حضرت ام سلمہؓ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کا خیال ہے کہ انہوں نے شوال ۵۹ھ میں وفات پائی اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ کے اخیر میں شہادت حسینؓ کے بعد انتقال فرمایا اور ابو خیثمہ کا قول ہے کہ ان کا زمانہ وفات یزید کا عہد حکومت ہے۔ (یعنی ۶۰ھ کا اخیر) مگر حق یہ ہے کہ ام المومنین ام سلمہؓ کا سال وفات ۶۳ھ ہے۔ اسی سال واقعہ حرہ پیش آیا تھا اور شامی افواج حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے محاصرہ کے لئے چڑھ آئی تھیں۔ اس وقت حضرت ام سلمہؓ کا سن

۸۴ سال تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ (زرقانی)

غرض صحیح یہی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے شہادت حسینؓ کا واقعہ بعد از وقوع خواب میں دیکھا تھا۔

حسنینؓ کے مزید فضائل

بعض روایتوں سے ثابت ہوا ہے کہ جس طرح حضرت زہرائے بتول سلام اللہ علیہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اسی طرح حضرات حسنینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ چنانچہ حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی والدۂ محترمہ سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر نبی ﷺ کے ساتھ نماز ادا کروں اور آپ ﷺ سے اپنے اور تمہارے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کروں۔ میں (اجازت لے کر) پیغمبر خدا ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز مغرب ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت فخر کونین ﷺ نوافل میں مصروف ہوئے اور عشاء تک اس میں مشغول رہے۔ پھر نماز عشاء ادا فرمائی اور فراغت کے بعد آستان مبارک کو تشریف لے چلے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ ﷺ نے میری آہٹ پا کر فرمایا: تم کون ہو؟ کیا حذیفہؓ ہو؟ میں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ! میں حذیفہؓ ہوں۔ ارشاد فرمایا: خدا تمہیں اور تمہاری والدہ کو بخشے۔ تمہیں کیا کام ہے؟ اور فرمایا: یہ ایک فرشتہ جو آج رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آیا تھا۔ اس نے رب قدیر سے اس بات کی اجازت حاصل کی کہ (دنیا میں) آ کر مجھے سلام کرے اور اس بات کا مژدہ سنائے کہ فاطمہؓ جنتی عورتوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ بہشتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ۔

اور حضور فخر دو جہاں ﷺ جناب زہراؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں بیٹوں کو بلا دو۔ جب وہ آتے تو آپ ان کو سونگھتے اور اپنے جسم مبارک سے لپٹاتے (ترمذی)

اور بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہادی انام ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ناگاہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) آ پہنچے۔ دونوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں اور دونوں (خوردسالی کی وجہ سے) چلتے چلتے گر پڑتے تھے۔ آپ ﷺ نے منبر سے اتر کر دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

حضرت یعلیٰؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما جو چھوٹے بچے تھے) دوڑ کر آئے۔ آپ نے ان کو گلے سے لگالیا اور فرمایا کہ فرزند بخل اور بزدلی کا سبب ہیں۔ (مسند احمد)

یعنی اولاد کی وجہ سے انسان بخل کرتا ہے کہ کسی کو کچھ دیتا نہیں اور اولاد کے باعث بزدلی اور دوں ہمتی کا مرتکب ہوتا ہے اور اس خوف سے جہاد سے محروم رہتا ہے کہ مارا گیا تو اولاد بے کس رہ جائے گی۔

اور حضرت خیر البشر ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی سفر سے مراجعت فرما ہوتے تو اہل بیتؓ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سن کر شہر سے باہر انتظار میں جا کھڑے ہوتے تھے اپنے آگے پیچھے سوار کر لیتے تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید عالم ﷺ اپنے خچر پر جس کا نام شہباء تھا سوار تھے۔ آپ ﷺ کے آگے حضرت حسنؓ اور پیچھے حضرت حسینؓ بیٹھے تھے۔ میں آپ ﷺ کے خچر کو آستان اقدس کے آنگن میں لے گیا۔ (ترمذی)

حضرت علی المرتضیٰؓ کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا بیان ہے کہ جس وقت پیغمبر خدا ﷺ سفر سے مراجعت فرماتے تو لوگ ہم (ہاشمی بچوں) کو آپ ﷺ کے استقبال کے لئے لے جاتے جو ہم سے پہلے پہنچتا اس کو آپ ﷺ اپنی سواری پر آگے بٹھا لیتے۔ ایک مرتبہ میں پہلے پہنچا تو آپ ﷺ نے مجھے آگے بٹھالیا۔ اس کے بعد حسنؓ یا حسینؓ پہنچے ان کو پیچھے بٹھایا۔ پھر ہم اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے مدینہ آئے۔ (ابوداؤد)

محسن بن علیؓ

جناب فاطمۃ الزہراءؓ کے بطن مبارک سے ایک فرزند محسن بن علیؓ پیدا ہوئے تھے لیکن عالم رضاعت ہی میں دنیا سے گزر گئے۔ اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی صاحبزادیؓ نے پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب المرگ ہے۔ ذرا آپ ﷺ تشریف لائیے آپ نے صاحبزادی کو سلام کے بعد کہلا بھیجا کہ حق تعالیٰ جو کچھ لیتا ہے وہ اسی کا ہے اور جو دیتا ہے وہ بھی اسی کا عطیہ ہے۔ اس کے نزدیک ہر چیز کے لئے مدت معین ہے۔ اس لئے تمہارا فرض ہے کہ صبر کرو اور اس کے ثواب کی امید رکھو۔ صاحبزادیؓ نے دوسری مرتبہ قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور قدم رنجہ فرمائیے۔ یہ دوسرا پیغام

سن کر آپ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلے۔ جب آپ ﷺ پہنچے تو بچہ آپ ﷺ کی گود میں دیا گیا۔ اس وقت بچے کی روح حرکت کر رہی تھی اور جان کنی کا وقت تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ حضرت سعدؓ کہنے لگے: یارسول اللہ! یہ گریہ کیا ہے؟ فرمایا یہ رحمت ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور رب ذوالمنن اپنے بندوں میں سے رحم دلوں پر ہی رحم کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

آپ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ آنکھوں کے آنسوؤں کا جاری ہونا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ رقت قلب اعتدال مزاج کی علامت ہے اور جس شخص کا دل ایسے موقع پر بھی نہیں پسیجتا اس کا قلب اعتدال سے خارج ہے اور وہ سنگدل ہے۔

بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ صاحبزادیؓ جن کے فرزند نے وفات پائی وہ سیدہ زینبؓ تھیں اور بچے کا نام علی بن ابوالعاصؓ بن ربیع تھا اور دوسروں کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ تھیں اور بچے کا نام محسن بن علیؓ تھا لیکن خاکسار راقم الحروف کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی یہ صاحبزادی صرف فاطمۃ الزہراءؓ ہی ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ اس وقت حضرت رقیہؓ انتقال فرما چکی تھیں اور حضرت ام کلثوم لاولد تھیں، رہیں محترمہ زینبؓ سو ان کے فرزند علی بن ابوالعاصؓ قریب البلوغ ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ حالانکہ اس روایت میں مذکور ہے کہ بچہ کو نزع کے وقت لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس کو اٹھالیا۔ پس ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے محسن بن علیؓ کو اٹھایا ہوگا نہ کہ علی بن ابوالعاصؓ کو جو قریب البلوغ تھے اور فتح مکہ کے دن خواجۂ دوجہاں ﷺ کے ردیف تھے۔

محترمہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰؓ

کہتے ہیں کہ امیرالمؤمنین علی بن ابی طالبؓ کی صاحبزادی اور رسول اکرم ﷺ کی نواسی ام کلثومؓ شکل وصورت میں چونکہ رسول خدا ﷺ کی صاحبزادی یعنی اپنی خالہ سیدہ ام کلثومؓ کے بہت مشابہ تھیں، لہٰذا ہادی انام ﷺ نے ان کی کنیت بھی ام کلثوم رکھ دی۔ یہ ام کلثوم بنت علیؓ امیرالمؤمنین عمر بن خطابؓ کی منکوحہ تھیں۔ اس نکاح کا محرک ایک واقعہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یوں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ

بنت عبدالمطلبؓ کا ایک بیٹا انتقال کر گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: پھوپھی کیوں روتی ہو؟ اسلام میں جس کسی کا بچہ انتقال کر جائے اس کو جنت میں جگہ ملے گی۔ جب حضرت صفیہؓ وہاں سے باہر نکلیں تو کوئی شخص حضرت صفیہؓ سے ملا اور کہنے لگا کہ تمہیں محمد ﷺ کی قربت کچھ نفع نہیں دے سکتی۔ یہ سن کر حضرت صفیہؓ رونے لگیں۔ سرور کائنات ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ حضرت صفیہؓ کے پاس گئے اور آپ ﷺ ان کا بہت اکرام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھوپھی! تم رو رہی ہو؟ حالانکہ میں نے تم سے ایک بات بھی کہی تھی۔ عرض پیرا ہوئیں: یا رسول اللہ! میرے رونے کی وجہ میرے فرزند کا انتقال نہیں بلکہ اس وجہ سے مغموم ہوں کہ مجھے ایک شخص نے یوں کہا ہے: یہ سن کر آپ ﷺ ملول ہوئے۔ نماز کا وقت قریب تھا حضرت بلالؓ نے اذان دی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور باری تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت کچھ نفع نہ دے گی۔ حالانکہ قیامت کے دن میرے سبب اور نسب کے سوا ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ میرا رحم دنیا وآخرت میں پہنچنے والا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ جس روز سے میں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تھے میرے دل میں یہ آرزو موجزن تھی کہ آپ ﷺ کے اور میرے درمیان سبب پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ام کلثوم بنت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے میری مناکحت اسی دیرینہ آرزو کا نتیجہ تھی۔

(ذخائر العقبیٰ للحافظ محب الدین الطبری ص ٦)

مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المؤمنین عمرؓ کو مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو مزید شرف اور برکت کا سبب ہے تو ام کلثوم بنت علیؓ سے نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے پیغام مناکحت بھیج دیا۔ (محمد بن جریر طبری)

امام جعفر صادقؒ نے اپنے باپ امام محمد باقرؒ سے اور انہوں نے اپنے والد مکرم امام زین العابدینؒ سے روایت کی کہ جب امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ نے اپنے ایام خلافت میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس ان کی صاحبزادی ام کلثوم کے لئے پیغام بھیجا تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بیٹیاں اپنے مرحوم بھائی جعفرؓ کے لڑکوں کے لئے مخصوص کر رکھی ہیں۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے کہا: علیؓ! آپ ام کلثوم کو میری زوجیت میں دے دیجئے۔ واللہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ مل سکے گا جو میری طرح تمہاری صاحبزادی کو خوش وخرم رکھے

اوراس کے حقوق کا احترام کرے۔ (ابن سعد)

ورز ابن سمعانؓ نے یوں روایت کی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ام کلثوم کے لئے درخواست کی تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے دوسردار (حسنین رضی اللہ عنہما) ہیں ان دونوں سے مشورہ کر کے قطعی جواب دوں گا۔ یہ کہہ کر حضرت علیؓ مکان پر گئے اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے اس پیغام کا تذکرہ فرمایا۔ چھوٹے صاحبزادہ حضرت حسینؓ تو خاموش رہے البتہ حسنؓ نے یہ کہا کہ حضرت عمرؓ کو رسول خدا ﷺ کا شرف صحبت نصیب ہوا اور آپ ﷺ ان سے راضی گئے۔ اس کے بعد وہ خلافت کے والئی ہوئے اور خلق خدا سے انصاف کیا۔ پس ان سے بڑھ کر اور کون ہوگا جس کا پیغام منظور کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: بیٹا! تم نے سچ کہا: لیکن مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ تم دونوں بھائیوں کے مشورہ اور صوابدید کے بغیر اس کا فیصلہ کروں۔ الغرض چالیس ہزار درہم پر نکاح ہو گیا۔ (تاریخ الخمیس)

یہ ۱۷ھ کا واقعہ ہے۔

حضرات مہاجرین عظام میں سے علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ قریب قریب ہر روز مرقد نبوی اور منبر کے درمیان آکر بیٹھا کرتے تھے اور جب کبھی معمورہ عالم سے کوئی اہم خبر آیا کرتی تو امیر المؤمنین عمرؓ وہاں جا کر ان کو اس کی اطلاع دیتے اور اس کے متعلق ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ عقد مناکحت کے بعد حضرت خلافت مآبؓ اس مقام پر گئے اور کہنے لگے: مجھے مبارک باد دو۔ انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! کس بات پر ہدیۂ تبریک پیش کریں؟ فرمایا: علی بن ابی طالبؓ کی صاحبزادی سے میرا نکاح ہوا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے سبب اور نسب کے سوا قیامت کے دن تمام سبب اور نسب منقطع ہو جائیں گے۔ میں آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت سے تو بہرہ مند تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی میری دلی آرزو تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مصاہرت کا تعلق بھی پیدا ہو جائے۔ (ابن سعد)

معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے محترمہ ام کلثومؓ سے نکاح کیا ہے تو اس وقت یا اس کے بعد کوئی اور بی بی حریم خلافت میں موجود نہ تھی۔ گویا اس وقت محترمہ ام کلثومؓ ہی ملکہ اسلام تھیں۔ مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد امیر المؤمنین عمرؓ کا معمول ہو گیا تھا کہ جو کچھ کہیں سے پیش کیا جاتا تھا یا تو اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے یا بیت المال

میں داخل کروا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ روم کا ایلچی مدینہ منورہ آیا تو ان کی حرم محترم حضرت ام کلثوم نے ایک اشرفی کے عطر خریدے اور ان کو شیشیوں میں بھر کر سفیر کے ہاتھ ملکہ روم کے پاس ہدیۃً بھیج دیئے۔ شاہ روم نے ان شیشوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کیا۔ حضرت امیر المؤمنینؓ نے یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار تو حضرت ام کلثومؓ کو واپس کر دیا اور بقیہ رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

(نزہۃ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تذکرۂ عمر بن الخطابؓ)

امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ حضرت ام کلثومؓ بھی دوسرے اہل بیت اطہارؓ کے ساتھ کوفہ چلی گئی تھیں۔ جب امیر المؤمنینؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو حضرت ام کلثومؓ کو اس حادثہ فاجعہ کا بڑا صدمہ تھا۔ جب ابن ملجم خارجی گرفتار ہوا تو حضرت ام کلثومؓ نے اس سے فرمایا: اے دشمن خدا! تو نے امیر المؤمنینؓ کو قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے صرف تیرے باپ کو مارا ہے۔ امیر المؤمنینؓ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ شاید وہ شقی کسی خارجی اولوالامر کو امیر المؤمنین سمجھتا ہوگا۔ ام کلثومؓ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اس زخم سے امیر المؤمنینؓ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ ابن ملجم بولا پھر تو کیوں روتی ہے؟ پھر بڑے فخر سے کہنے لگا میں اس تلوار کو برابر ایک مہینہ زہر میں بجھاؤ دیتا رہا ہوں۔ اگر اب بھی اس نے کام نہ کیا تو خدا اس کا برا کرے۔ حضرت علیؓ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔ (تلبیس ابلیس ابن جوزی)

حضرت ام کلثومؓ کے بطن مبارک سے فاروق اعظمؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر۔ ابو عمرو کا بیان ہے کہ ام کلثومؓ اور ان کے فرزند زید ایک ہی دن دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہوئے۔ ایک رات حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان بنو عدی میں کچھ جھگڑا رونما ہوا۔ زید ان میں صلح کرانے کے لئے نکلے۔ رات کی تاریکی میں انہیں غلطی سے کسی کی چوٹ لگ گئی۔ جس سے صاحب فراش ہو گئے۔ پھر انہوں نے اور ان کی والدۂ محترمہ نے ایک ہی روز دنیا سے رخت سفر باندھ لیا۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ کے کہنے پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دونوں کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (تاریخ الخمیس)

حضرت ام کلثومؓ کی قبر ایک گاؤں میں ہے جو دمشق سے ایک فرسخ پر واقع ہے۔ ام کلثومؓ کے قریب ہی جناب امام حسینؓ کی صاحبزادی سکینہؓ مدفون ہیں۔

محترمہ زینبؓ بنت علیؓ

سیدۃ النساءؓ کی چھوٹی صاحبزادی زینبؓ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفرؓ سے بیاہی گئی تھیں۔ ان سے علی، عون، عباس، محمد اور ام کلثوم پانچ اولادیں ہوئیں۔ زینبؓ کی رحلت کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان کی ہمشیر حضرت ام کلثوم بنت علیؓ سے جو بیوہ تھیں نکاح کرلیا تھا۔ (ابن سعد)

محترمہ زینبؓ اپنے برادر معظم سیدنا حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ کربلا میں موجود تھیں اور انہوں نے کربلا کے تمام خونیں حوادث بچشم خود دیکھے تھے۔ انہوں نے پہلے کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کے سامنے اور پھر دمشق میں یزید کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جس حیرت انگیز جرأت و بسالت کا ثبوت دیا۔ راقم الحروف اس کی تفصیل اپنی کتاب ''ائمہ تلبیس'' میں درج کرچکا ہے۔ (ختم شد)

ضمیمہ از ائمہ تلبیس

(یہاں پر کتاب ''سیدہ فاطمہؓ'' ختم ہوگئی ہے۔ اس کتاب کے آخر پر مصنف مرحوم نے سیدہ زینبؓ کے حالات واقعہ کربلا سے متعلق اپنی دوسری کتاب ''ائمہ تلبیس'' میں رقم کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ حصہ بھی کتاب ''سیدہ فاطمہؓ'' کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس لئے کتاب ''ائمہ تلبیس'' مطبوعہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے ص ۸۷ تا ۱۱۹، فصل: ۴ کو یہاں شامل کردیا گیا ہے جو یہ ہے۔ ناشر!)

فصل: ۴ ...... شہدائے کربلا کے قتل و استہلاک کا انتقام

مختار نے ان لوگوں کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع کیا جو امام حسینؓ اور خاندان نبوت کے دوسرے ارکان کے قتل و استہلاک میں شریک تھے یا اس کے ذمہ دار تھے۔ اب ہر ایک کے وقائع ہلاک درج کئے جاتے ہیں۔

عبیداللہ ابن زیاد کی ہلاکت

عبیداللہ ابن زیاد وہی شقی ازلی ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کا اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ اس کی خون آشامی نے انہیں ریاض فردوس میں نہ بھیج دیا۔ اس نے

اہل بیت اطہارؓ پر جن کی محبت جزء ایمان ہے۔ وہ ظلم توڑے کہ جن کو سن کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یزیدی عہد بے دولت کے آغاز میں یہ شخص بصرہ کا حاکم تھا اور چونکہ یزید اس سے ناخوش تھا۔ اس کو بصرہ کی حکومت سے برطرف کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن جب امام حسینؓ نے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ فرمایا اور ہزارہا آدمیوں نے مسلم کے ہاتھ پر امام حسینؓ کی بیعت کی تو یزید نے جناب مسلم کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی ابن زیاد کو تفویض کر دی اور لکھا کہ میں تم سے خوش ہوں۔ تم کوفہ جا کر وہاں کے حالات کی اصلاح کرو۔ اس شخص نے کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیل کا نقش وجود جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ صفحۂ ہستی سے محو کیا اور جس سفا کی کے ساتھ حضرت مسلم کے میزبان ہانی بن عروہؓ کی جان لی۔ اس کے بیان سے تاریخ کی روح لرز جاتی ہے۔ اسی شخص نے اپنے سپہ سالار عمرو بن سعد کو لکھا تھا کہ حسینؓ اور ان کے اہل بیتؓ کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچے دو۔ چنانچہ اس نے اس حکم کے بموجب پانچ سو سواروں کی ایک جمعیت دریا اور امام حسینؓ کے قیام گاہ کے درمیان حائل کر کے پانی پینے میں مزاحمت کی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے عمرو بن سعد کو حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل بیتؓ کی جان ستانی کا حکم دیا تھا۔

بلندی سے گرا کر قاصدوں کی جان ستانی

یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کے قاصدوں کی نہایت سنگ دلی کے ساتھ جان لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملنے سے پہلے امام حسینؓ نے کوفہ جاتے ہوئے قیس ابن مسہر صیداوی کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام ایک خط روانہ فرمایا تھا۔ قیس قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے جو راستہ میں امام حسینؓ کی مزاحمت کے لئے یزیدی فوجیں لئے پڑا تھا۔ ان کو گرفتار کر کے کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد کی ناپاکی سیرت اور خبث ضمیر سے بھلا کسی عفو و درگذر کی کہاں امید ہو سکتی تھی۔ اس نے قیسؓ کو حکم دیا کہ قصر امارت کی بلند چھت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ پر سب و شتم کرو۔ قیس اوپر چڑھ گئے اور خالق کردگار کی حمد و ثناء کے بعد کہا۔ خدا کی قسم! حسین ابن علیؓ روئے زمین کی تمام مخلوق میں بہترین اور افضل ترین انسان ہیں۔ آپ مخدومۂ جہان حضرت فاطمۃ زہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی دعوت حق کو لبیک کہو۔ میں ان سے

حاجر کے مقام پر جدا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حسینؓ کی جگہ ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس شخص کو قصر کے نیچے پھینک دو۔ قصر امارت نہایت بلند تھا۔ ان کو نیچے دھکیل دیا گیا۔ زمین پر پہنچ کر جسم پاش پاش ہو گیا اور آنکھیں بند کرتے ہی حوران جنت کی گود میں پہنچ گئے۔
حضرت امام حسینؓ کو ہنوز اس سانحہ کا علم نہیں تھا کہ قیس کی روانگی کے بعد اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن بقطر کو حضرت مسلم ابن عقیل کے پاس روانہ فرما دیا۔ امام ہمام کو اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلم شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ چکے ہیں۔ حصین ابن نمیر نے عبداللہ کو بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے قیس کی طرح ان کو بھی حکم دیا کہ قصر امارت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب پر لعنت کرو۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ وہ اوپر چڑھ گئے اور حضرت حسینؓ کے قدوم کا اعلان کر کے ابن زیاد پر لعنت کرنے لگے۔ وہ بھی ابن زیاد کے حکم سے قصر سے گرا دئے گئے۔ ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ ایک یزیدی آگے بڑھا اور ان کو ذبح کر کے واصل بحق کر دیا۔

ابن زیاد کی سیاہ دلی کا اندازہ ان جاں گسل واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد رونما ہوئے۔

حضرت زینبؓ کا دردانگیز نوحہ وفغاں

جب شہدائے کربلا کی جان ستانی کے بعد عمر بن سعد حضرت امام حسینؓ کے اہل بیتؓ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے چلا تو ان کو امام حسینؓ اور دوسرے شہداء کی پامال لاشوں کے پاس سے لے گزرا۔

خواتین اہل بیتؓ اس دردناک منظر کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور آہ وفریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خواہر محترمہ جناب زینبؓ نے رو کر کہا۔ اے محمدؐ! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درود وسلام! دیکھئے۔ بیچارے حسینؓ اس چٹیل میدان میں خون میں لتھڑے ہوئے، اعضا بریدہ پڑے ہیں۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ آپ ﷺ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد مقتول بے کفن پڑی ہے۔ تیز ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی

ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے دردانگیز نوحہ سے اشکبار نہ ہو گیا ہو۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے

اس کے بعد تمام شہداء کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر سر تھے۔ شمر ابن ذی الجوشن عمر و ابن حجاج اور قیس ابن اشعث یہ تمام سر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر، ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لب مبارک پر مارنے لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زیدؓ ابن ارقمؓ چلا اٹھے! ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لب مبارک ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد بگڑ کر کہنے لگا۔ خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔ حضرت زید ابن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے کہ اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے ابن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو مقرب بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں۔ بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی لگائی تھی۔

اہل بیتؓ نبوت کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی

جب اہل بیتؓ کا تباہ حال قافلہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت حضرت زینبؓ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے؟ حضرت زینبؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا کہ یہ جناب حضرت زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ اس خدائے ودود کا شکر ہے کہ جس نے تمہیں رسوا اور غارت کر کے تمہارے خاندان کو بٹہ لگایا۔ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ:

"تمام تر حمد و ستائش اس ذات برتر کے لئے ہے جس نے محمد ﷺ کے ذریعہ سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں پاک و صاف کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاسق رسوا ہوتے ہیں

اور فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے۔" ابن زیاد نے کہا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ: "علم خداوندی میں ان کی شہادت مقدر تھی۔ اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچے۔ لیکن عنقریب رب جلیل تجھے اور انہیں ایک جگہ مجتمع کر کے انصاف کرے گا۔" یہ سن کر ابن زیاد برافروختہ ہوا اور عالم غیظ میں کہنے لگا کہ خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیتؓ کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں اور کہا: "تو نے میرے بھائی اور دوسرے قرابت داروں کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹیں اور میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر انہی باتوں سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو واقعی تو نے اپنی مراد پائی۔" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ یہ شجاعت ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا: "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ رنج و غم کی آگ ہے جو میرے مجروح دل میں سلگ رہی ہے۔" حضرت زین العابدین علیؓ بن حسینؓ علیل ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے تھے۔ جب ابن زیاد نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا علی بن حسینؓ۔ کہنے لگا کیا اللہ نے علی بن حسینؓ کو ہلاک نہیں کیا؟ جناب زین العابدینؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا تم بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی تھا (علی اکبر) لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ ابن زیاد بولا نہیں۔ یوں کہو خدا نے اسے ہلاک کیا۔ علی خاموش ہو گئے۔ ابن زیاد نے کہا تم کیوں نہیں بولتے؟ اس پر زین العابدینؓ نے یہ آیت پڑھی: "**اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ**" ﴿خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں سکتا۔﴾ اس پر ابن زیاد چلایا۔ خدا تجھے مارے تو بھی انہیں میں سے ہے۔ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انہیں بھی قتل کر ڈالے۔ لیکن زینبؓ بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں: "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال۔" امام زین العابدینؓ نے بلند آواز سے کہا۔ اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے۔ ابن زیاد دیر تک زینبؓ کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔

واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا! لڑکے کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔

ابن عفیف کا واقعہ شہادت

اس کے بعد اجتماع کے لئے منادی کرائی گئی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور ابن زیاد نے منبر پر چڑھ کر یوں گوہرافشانی کی۔ ہر قسم کی حمد وثناء کا مستحق وہ پروردگار عالم ہے جس نے حق اور اہل حق کو غالب کیا اور امیر المومنین یزید اور اس کی جماعت کی عون ونصرت فرمائی اور کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ (معاذ اللہ) اور اس کی جماعت کو غارت کیا۔ یہ سن کر ایک نیک نہاد مسلمان عبداللہ ابن عفیف ازدیؓ نام اٹھے اور اس بدنہاد کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ اے ابن مرجانہ! (مرجانہ ابن زیاد کی ماں کا نام تھا) کذاب ابن کذاب تو تو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے والی بنایا۔ اے ابن مرجانہ! کیا تو انبیاء کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور ساتھ ہی صدیقوں کا سا کلام کرتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا۔ اسے میرے پاس پکڑ لاؤ۔ ابن زیاد نے اس جرم ناآشنا کو جرم حق گوئی میں نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی نعش کو لٹکا دیا جائے۔ چنانچہ نعش اطہر کو وہیں صحن مسجد میں لٹکا دیا گیا۔ پھر امام حسینؓ کے سر مبارک کی تمام شہر میں تشہیر کی گئی اور کوفہ کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی۔ جہاں اس کو پھرایا نہ گیا ہو۔

ابن زیاد کو بھائی اور ماں کی لعنت ملامت

جب عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؓ کے حادثہ شہادت کے بعد کوفہ کو مراجعت کی تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ عمر مجھے وہ خط دے دو جو میں نے تم کو حسینؓ کے قتل و استہلاک کے متعلق لکھا تھا۔ اس نے کہا۔ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس نے کہا وہ چھٹی واپس دے دو۔ عمر نے کہا۔ وہ ضائع ہو چکی ہے۔ ابن زیاد نے کہا۔ نہیں ضرور دے دو۔ کہا وہ تلف ہو گئی تھی۔ ابن زیاد نے کہا وہ تمہیں ضرور دینی پڑے گی۔ عمر نے کہا وہ کربلا ہی میں چھوٹ گئی تھی اور اگر وہ چھٹی مدینے پہنچ گئی تو کم از کم میں تو معذور سمجھا جاؤں گا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا۔ خدا کی قسم! میں نے تم کو حسینؓ کے بارہ میں بہت سمجھایا تھا اور نصیحت کی تھی، لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔ اس گفتگو کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد بھی موجود تھا۔ وہ کہنے لگا کہ قتل حسینؓ سے تو کہیں یہ بہتر تھا کہ زیاد کی نسل کے ہر

مرد کی ناک میں قیامت تک غلامی کی نکیل پڑی رہتی اور مغیرہؓ کی روایت ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے عبیداللہ سے کہا۔ او خبیث! تو نے ابن رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ تجھے جہنم سے نکل کر کبھی جنت کی شکل تک دیکھنا نصیب نہ ہو گی۔

شہدا کے سرہائے مبارک اور پسماندگان اہل بیتؓ کی دمشق کو روانگی

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے کہ جس وقت زحر بن قیس پہنچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے سوال کیا۔ کیا خبر ہے؟ قاصد نے جواب دیا۔ فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسینؓ بن علیؓ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلہ بول دیا جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں۔ تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدھوں کی خوراک بن گئے ہیں۔

یزید کے تاثرات

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا۔ بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا: ''یفلقن هاما من رجالا عزة علینا وهم کانوا اعق واظلما'' ﴿تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں۔ حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔﴾ پھر کہا واللہ اے

حسینؓ! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔

حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیتؓ کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ابن ذی الجوشن اور محضر ابن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدینؒ راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا۔ میں امیر المومنین کے پاس (معاذ اللہ) فاجر کمینیوں کو لایا ہوں۔ یزید یہ سن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا۔ محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں جنا۔

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیتؓ کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدینؒ سے مخاطب ہوا۔ اے علیؒ! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔ امام زین العابدینؒ نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "**ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأ ها ۰ ان ذلک علی اللہ یسیر ۰ لکیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتا کم ۰ واللہ لا یحب کل مختال فخور**" ﴿تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔﴾ یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا۔ کہتا کیوں نہیں: "**ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر**" ﴿جو مصیبت آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔﴾

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثناء میں ایک سرخ رنگ کا سیاہ دل شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ امیر المومنینؓ! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔ اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے

کانپنے لگی اور اپنی بہن زینبؓ کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ انہوں نے پکار کر کہا: تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔ اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ! مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں۔ زینبؓ نے کہا ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلو۔ یزید اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا۔ کہنے لگا۔ دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔ زینبؓ نے جواب دیا۔ کیا اللہ کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، میرے باپ کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے، ہدایت نہیں پائی؟ یزید چلایا اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے۔ حضرت زینبؓ بولیں۔ تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت علیؓ کہتی ہیں۔ یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ خدا ناترس شامی پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ پلائی۔ دور رہو کمبخت! خدا تجھے ہلاک کرے۔ اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی روساء وامراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان ابن بشیرؓ نے کہا۔ ان کے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ ﷺ انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔ حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے یہ سن کر کہا۔ اے یزید! یہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکیاں ہیں۔ اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی اور اس کے درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کردیا جائے۔

ملکہ کی غمگساری

اس اثناء میں اس حادثہ فاجعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ، یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا۔ امیرالمومنین! کیا حسین ابن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟ یزید نے کہا۔ ہاں! تم خوب روؤ۔ بین کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے۔ اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا۔ تم

جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؓ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے۔ صحیح نہیں۔ علیؓ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل ہے تو بلا شبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہؓ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا میرے نانا سے افضل ہیں۔ تو قسم خدا کی! کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے: **مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاو وتزل من تشاء بیدک الخیر ، انک علی کل شیء قدیر!**

پھر اہل بیتؓ کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی زود پشیمانی اور سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسینؓ نے جو جناب سکینہؓ سے بڑی تھیں۔ اس سے کہا اے یزید! کیا رسول اللہ ﷺ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟ یزید نے کہا اے میرے بھائی کی بیٹی ایسا کیوں ہونے لگا؟ فاطمہؓ نے کہا بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔ یزید نے کہا تم لوگوں کا جتنا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دوگنا تگنا دے دیا گیا۔ یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں زین العابدین علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسنؓ کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا۔ تو اس سے لڑے گا؟ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسنؓ نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا۔ یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو ایک چھری اسے دو۔ پھر ہماری لڑائی دیکھو۔ یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو

بن حسنؓ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا۔ سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے۔ یزید نے اہل بیتؓ کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا۔ کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی، لیکن اس سے رسول اللہ ﷺ کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر۔ خدا کا غضب ابن مرجانہ پر۔

اہل بیت کی مدینہ منورہ کو مراجعت

پھر جب اہل بیتؓ کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدینؒ سے ایک مرتبہ اور کہا۔ ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت۔ واللہ اگر میں حسینؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا جو ضرورت پیش آئے مجھے خبر دینا۔ بعد میں حضرت سکینہؓ برابر کہا کرتی تھیں۔ میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔ یزید نے اہل بیتؓ کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینبؓ بنت علیؓ اور حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا۔ یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں۔ اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا۔ واللہ! میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خیال سے تھا۔ اہل بیتؓ کی آمد سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جاں گسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خواتین نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں۔ اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں: "ماذا تقولون ان

قـالالـنبـي لـكـم • ماذا فعلتم وانتم اخرالامم ''﴿کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو﴾'' بـعترتي و باهلي بعد مفتقدي • منهم اساري ومنهم ضرجوا بدم ''﴿تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔﴾

ابن زیاد کا بصرہ سے شام کو فرار

جب یزید کا پیانہ عمر لبریز ہوا اور اس نے توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیری۔ تو ابن زیاد کا کب اقتدار بھی آناً فاناً غروب ہو گیا۔ وہ بصرہ اور کوفہ دونوں مملکتوں کا والی تھا۔ لیکن یزید کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ دونوں حکومتیں اس کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ اہل کوفہ نے ابن زیاد کے نائب عمرو ابن حریث کو کوفہ سے نکال دیا اور بصرہ میں جہاں ابن زیاد خود رہتا تھا۔ لوگ اس کے خلاف عدم تعاون کا حربہ استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ جس کام کا وہ حکم دیتا اس کی تعمیل نہ ہوتی اور جو رائے پیش کرتا اس کی تردید کر دی جاتی۔ اگر ابن زیاد کسی مجرم کے لئے حبس کا حکم دیتا تو لوگ اس کے اہلکاروں اور ملزم کے درمیان حائل ہو جاتے اور ابن زیاد منہ تکتا رہ جاتا۔

اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت خلافت ہو چکی تھی۔ ان کی طرف سے سلمہ ابن ذویب حنظلی وارد بصرہ ہوا۔ وہ ایک جھنڈا لے کر بازار میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے لوگو! میرے پاس آؤ میں تم کو حرم کے پناہ گزیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف بلاتا ہوں۔ لوگ اس کے ہاتھ پر جناب ابن زبیرؓ کی بیعت کرنے لگے۔ جب ابن زیاد کو اس کا علم ہوا تو بہت گھبرایا۔ چونکہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرنے والوں کی جماعت آناً فاناً بڑھ گئی اور انہوں نے ابن زیاد کے خلاف علم انحراف بلند کر دیا۔ اس لئے ابن زیاد نے اپنے فوجی افسروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے ہم رکاب ہو کر پیروان ابن زبیرؓ سے جنگ کریں، لیکن روسائے فوج نے اس کو باتوں میں ہی ٹرخا دیا۔ اب ابن زیاد نے اس کام میں بھائیوں، رشتہ داروں اور دوسرے متعلقین کا تعاون حاصل کرنا چاہا۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت ہمارا کوئی خلیفہ نہیں جس کے لئے ہم مخالفوں سے برسر جنگ ہوں۔ اگر موجودہ حالات میں لڑائی کا نتیجہ تمہارے خلاف ہو تو کوئی ایسی مرکزی حکومت نہیں جس کے پاس تم چلے جاؤ اور وہ

تمہاری مدد کرے۔ پھر کہنے لگے۔ ہم نے بصرہ میں جائدادیں خرید رکھی ہیں۔ لڑائی میں ہم مغلوب ہو گئے تو لوگ ہمیں ہلاک کر کے ہماری جائدادوں پر قبضہ جمالیں گے۔ غرض خویشوں نے بھی جواب دے دیا اور وہ بے بسی اور حرمان ویاس کی مجسم تصویر بن کر رہ گیا۔ وہ ابھی انہی اضطراب آفرین نامرادیوں کے حصار میں گھرا تھا کہ اسے اپنی جاں کے لالے پڑ گئے۔ کیونکہ اہل بصرہ نے اس کے قتل پر اتفاق کر لیا تھا۔ اب ابن زیاد کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ کہیں بھاگ کر جان بچائے۔ اس غرض کے لئے اس نے حارث ابن قیس نام ایک ازدی رئیس کو بلایا اور کہنے لگا۔ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ اگر کبھی امداد کی حاجت ہو تو قبیلہ ازد کو اختیار کرنا۔ اس لئے یہاں سے بھاگنے میں میری مدد کرو۔ اس نے کہا میں دن کے وقت تو تم کو امان دے کر نہیں لے جا سکتا۔ کیونکہ خوف ہے کہ اس کوشش میں تمہارے ساتھ کہیں میں بھی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ رات کے وقت تمہیں اپنے پیچھے سوار کر کے لے چلوں۔ تاکہ ظلمت شب میں تمہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ ابن زیاد نے کہا یہ رائے نہایت صائب ہے۔ چنانچہ حسب قرارداد حارث رات کی تاریکی میں اس کو اپنے پیچھے سوار کر کے لے اڑا۔ اس وقت بیت المال میں ایک کڑور نوے لاکھ کی رقم جمع تھی۔ ابن زیاد نے اس کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لیا اور باقی نہایت رازداری کے ساتھ اپنے خاندان کے لوگوں اور دوسرے متعلقین میں تقسیم کر دیا۔ جب حارث ابن زیاد کو لے جا رہا تھا تو یہ جہاں سے گزرتے ابن زیاد حارث سے بار بار پوچھتا کہ اب ہم کہاں ہیں؟ کیونکہ راستے میں جو اسلامی قبائل بھی آباد تھے وہ ابن زیاد کے دشمن جاں تھے۔ جب قبیلہ بنو سلیم میں پہنچے تو ابن زیاد کے دریافت کرنے پر حارث نے کہا کہ اب ہم بنو سلیم میں سے گزر رہے ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد بولا۔ اب ان شاء اللہ! ہمارے لئے سلامتی ہے۔ پھر جب بنو ناجیہ میں گزرتے وقت ابن زیاد نے یہی سوال کیا اور حارث نے بنو ناجیہ کا نام بتایا تو ابن زیاد نے کہا: ان شاء اللہ! اب ہم ضرور نجات پا جائیں گے۔ بنو ناجیہ نے پوچھا تم کون ہو؟ حارث نے کہا میں حارث بن قیس ہوں۔ بنو ناجیہ کا ایک شخص ابن زیاد کو پہچانتا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی کہا ابن مرجانہ اور جھٹ ایک تیر مارا جو ابن زیاد کے عمامہ میں لگا۔ حارث نے سواری کو زیادہ تیز کر دیا اور دونوں بچ کر نکل گئے۔ الغرض ابن زیاد اسی طرح بہ ہزار خرابی و رسوائی شام پہنچا۔ جہاں ابھی تک بنو امیہ کی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔

ابن زیاد کی ہلاکت

جب ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت ہوئی تو انہوں نے بعض بنوامیہ کو ارض حجاز سے شام کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ انہی مخرجین میں عبدالملک کا باپ مروان ابن حکم بھی تھا۔ مروان کی یہ خواہش تھی کہ وہ جا کر عبداللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرے۔ ابن زیاد کو مروان کے عزم بیعت کی اطلاع ہوئی تو مروان سے کہنے لگا۔ میں تمہارے اس ارادے پر سخت شرم محسوس کر رہا ہوں۔ مروان نے کہا کہ ابھی تک کچھ نہیں بگڑا ہے۔ غرض ۶۴ھ میں مروان کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی۔ اس کے بعد مروان نے ابن زیاد کو ایک لشکر دے کر موصل کی طرف روانہ کیا۔ موصل میں اس وقت مختار کا عامل عبدالرحمٰن ابن سعید تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر تکریت کو چلا گیا اور مختار کو اپنی ہزیمت و پسپائی کی اطلاع دے دی۔ مختار نے یزید ابن انس اسدی کو تین ہزار منتخب و جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ ابن زیاد کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے توسن ہمت کی باگ اٹھائی اور باد و برق کی طرح موصل جا پہنچا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس نے تین ہزار کے مقابلہ میں چھ ہزار فوج بھیج دی، لیکن یزید بن انس یہاں پہنچتے ہی ناگہاں مرض موت میں گرفتار ہوا اور اس کا مرض دم بدم ترقی کرنے لگا۔ جب نقارہ جنگ پر چوب پڑی تو یزید شدت مرض کے باوجود ایسی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ اسے آدمی تھامے ہوئے تھے۔ یزید نے اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر میں مر جاؤں تو ورقاء ابن عازب تمہارا امیر ہوگا۔ لڑائی کے دوران میں کبھی تو وہ شدت مرض کی وجہ سے غش کھا جاتا تھا اور کبھی ہوش میں آجاتا تھا۔ بایں ہمہ اہل شام کو ہزیمت ہوئی اور مختار کی فوج نے اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ یزید ابن انس اسی روز بوقت مغرب اس سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس ہزیمت کے بعد ابن زیاد اسی ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ یہ دیکھ کر مختار کی فتح مند فوج نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کوفہ کو واپس چلی جائے۔ جب مختار کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو سات ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ موصل روانہ کیا اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر یزید ابن انس کی فوج کو دیکھو تو اسے اپنی قیادت میں واپس لے جانا۔ ابراہیم اپنی فوج کو یہ واقعات ذہن نشین کرتے ہوئے روانہ ہوا کہ ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ اور ان

اہل بیتؓ کے ساتھ کیا برتاؤ برتا؟ ان کو کس طرح قتل کیا اور ان کا پانی بند کیا؟ یہ دردانگیز حالات سنا سنا کر اپنے آدمیوں کو ابن زیاد کے خلاف جوش دلاتا رہا۔ جب وہاں پہنچے اور مقابلہ ہوا تو ابن زیاد کو باوجود ہشت چند فوج رکھنے کے ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عمیر بن حباب نام ابن زیاد کا ایک فوجی سردار جو در پردہ ابن زیاد کا دشمن تھا۔ اپنی سپاہ کو بددل کرنے کے لئے لڑتے لڑتے بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ مختار کی فوج نے شامیوں کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ بھاگتے وقت عالم بدحواسی میں اس کثرت سے نہر میں غرق ہو گئے کہ مغرقین کی تعداد مقتولین سے بڑھ گئی۔ فاتحین نے مال غنیمت سے خوب ہاتھ رنگے اور اپنے مستقر کو واپس آئے ابراہیم بن اشتر اپنے فوجی افسروں سے کہنے لگا کہ میں نے ابھی ایک شخص کو ایک جھنڈے کے نیچے نہر خاز کے کنارے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ اس کا پتہ لگاؤ۔ اس کے کپڑے بہت معطر پاؤ گے۔ دونوں ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب ہوں گے۔ اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابن زیاد بدنہاد تھا۔ جس نے ابراہیم کی ضرب سے ہلاک ہو کر زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔ اس کا سر کاٹ کر باقی جسم نذر آتش کر دیا گیا۔ اب ابراہیم نے نامہ فتح کے ساتھ ابن زیاد اور اس کے روساء کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے۔ جب یہ سر کوفہ کے قصر امارت میں پڑے تھے تو ایک پتلا سا سانپ وہاں آیا اس نے گھوم گھوم کر سروں کو دیکھا۔ آخر ابن زیاد کے منہ میں گھس کر ناک میں آنکلا۔ پھر ناک سے داخل ہو کر منہ میں جا کر سر نکالا۔ اس نے کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو محدث ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع میں نقل کیا ہے۔

عمر ابن سعد کا قتل

یہ عمر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا ناخلف بیٹا تھا جو حضرت سرور انبیاء ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ وہی بزرگ ہیں جنہیں فخر کونین سیدنا محمد ﷺ ماموں کے معزز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی مادر محترمہ قبیلہ بنو زہرہ سے تھیں اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سعد ابن ابی وقاصؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خیر الانام ﷺ نے فرمایا کہ سعدؓ میرے ماموں ہیں۔

اور پھر حضرت سعدؓ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت اور مابہ الفخر چیز ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ماموں بھی (ایسا بلند پایہ) ہو جیسا کہ میرا تو وہ اسے پیش کرے۔ (ترمذی ج۲ص۲۱۶)

اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں سے تیسرے تھے۔ (صحیح بخاری ج۱ص۵۲۷)

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ کر ان سے پہلے صرف ایک ہی صحابی شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے۔ لیکن خدائے برتر کی شان بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی عاشق رسول اکرم ﷺ کا بیٹا کربلا کے معرکہ میں حضور سرور عالم کے فرزند کے قاتلوں کا قائد ورہنما تھا۔ **فسبحان الذی یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی!**

قتل حسینؓ سے اعراض یا، رے، کی حکومت

عمر ابن سعد کربلا کی یزیدی افواج کا قائد اعظم تھا۔ اس تقرر کا باعث یہ ہوا کہ ابن زیاد نے اسے چار ہزار فوج کی کمان دے کو کوہ ستمی کی طرف روانہ کیا تھا جس پر دیلم نے حملہ کر کے عمل ودخل کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے ابن سعد کو قیادت لشکر کے ساتھ رے کی حکومت کا فرمان بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ عمرو نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے حمام اعین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے تھے، لیکن حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ جب امام حسینؓ کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلا کر کہا کہ بالفعل تم حسینؓ کا قضیہ نبٹا لو۔ اس کو سرانجام دینے کے بعد خدمت مفوضہ کے لئے چلے جانا۔ عمرو نے امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کے لئے معافی چاہی۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ معافی اسی صورت میں ممکن ہے کہ "رے" کی حکومت کا فرمان واپس کر دو۔ عمرو نے کہا اچھا مجھے غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت دو۔ چنانچہ اس نے اپنے اعزہ و اقارب اور ہوا خواہوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے فرزند گرامی کی تباہی واستیصال کی طرف قدم اٹھانا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ ابن سعد کا بھانجا مغیرہ کہنے لگا۔ ماموں! میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ امام حسینؓ کے مقابلہ پر نا جانا۔ خدا کی قسم! اگر بالفرض تمہیں ساری کائنات کے اموال وخزائن اور ربع سکون کی بادشاہت سے بھی دست بردار

ہونا پڑے تو بھی ابن رسول اللہ ﷺ کے خون کا دھبہ اپنے دامن عمل پر نا لگانا۔ اس سے قطع نظر حضرت حسینؓ تمہارے جد قرشی ہیں اور صلہ رحمی کا اقتضاء یہ ہے کہ حقوق قرابت پر چند روزہ دنیاوی اقتدار کو قربان کردو۔ عمرو نے کہا اچھا میں ایسا ہی کروں گا۔ اب وہ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا کہ دو باتوں میں سے کس کو اختیار کروں؟ اس وقت اس مضمون کے اشعار اس کی زبان پر تھے۔ کیا میں رے کی رغبت دل سے نکال دوں یا حسینؓ کے قتل میں شرکت کروں؟ حسینؓ کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے بچنے کے لئے کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی حکومت میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آخر صبح کو ابن زیاد کے پاس جا کر کہا کہ لوگوں نے سن لیا ہے کہ تم نے مجھے ولایت رے کا عامل مقرر کیا ہے۔ اگر اس کا نفاذ کردو تو بہتر ہے اور ابن حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کے لئے اشراف کوفہ میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب مناسب ہے جو فن محاربہ میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ یہ کہہ کر چند آدمیوں کے نام لئے۔ ابن زیاد بولا۔ میں نے اس بارہ میں تم سے کوئی مشورہ نہیں طلب کیا تھا۔ اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ۔ ورنہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کردو۔ عمرو کہنے لگا اچھا میں جاتا ہوں۔ غرض عمرو فوج لے کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں روانہ ہوا اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور پیشین گوئی پوری کردی۔ چنانچہ ابن سیرینؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے عمرو بن سعد سے کہا تھا کہ اگر تم کبھی ایسے مقام میں ہو کہ تمہیں جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک کو اختیار و انتخاب کرنے کی نوبت آئے تو تم ضرور دوزخ ہی کو ترجیح دو گے۔

ابن سعد کا افتخار کہ سب سے پہلے میں نے امام حسینؓ پر تیر چلایا

جب عمر ابن سعد نے یزیدی افواج کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے بعد اس نے اپنی باطل پرستی اور حق فراموشی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ چنانچہ معرکہ کربلا کے آغاز میں سب سے پہلے اس نے چلّے میں تیر جوڑ کا چلایا اور کہا۔ سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے ہی تیر چلایا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ عمرو کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تو حسب روایت قیس ابن ابو حازم تابعی ہمیشہ اس بات فخر کیا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۲۸)

لیکن ان کے نابکار بیٹے کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ پر تیر چلانے میں سب پر سبقت کی۔ عمرو نے اسی باطل نوازی پر اکتفا نہیں کیا کہ تیر چلا کر لڑائی کا آغاز کر دیا ہو۔ بلکہ اس کی قساوت قلبی کے اس وقت اور بھی زیادہ جوہر کھلے تھے جب اس نے حضرت امام مظلوم کی جان ستانی کے بعد ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں اپنے لشکر کو خطاب کر کے آواز بلند کہا کہ کون اس بات پر آمادہ ہے کہ حسینؓ کی طرف جائے اور اپنے گھوڑے سے اس کی لاش کو روند ڈالے۔ چنانچہ دس سوار گئے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے آپ کی نعش اطہر کو بہت بری طرح روندنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے جسد مبارک کی ہڈیاں اور پسلیاں اور اعضاء بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! کاش ظالموں کے بہیمانہ جذبات کی تسکین محض امام ہمام کی جان لینے سے ہی ہو جاتی اور انہیں درندگی اور خباثت نفس کے اس مظاہرۂ عظیم کی ضرورت نہ پڑتی۔ تعجب ہے کہ ان نابکاروں کو اسلامی گھرانوں میں پیدا ہونے کے باوجود کس قانون کس اخلاق اور کون سی تہذیب نے اس کی اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سید الشہداءؓ کے جسد اطہر کو اپنی سبعیت کا تختۂ مشق بناتے؟

حضرت زینبؓ کا عبرتناک استفسار اور عمرو کی اشکباری

اس میں شبہ نہیں کہ جاہ طلبی کی شدت انہماک نے عمرو کے دل و دماغ پر جمود و بے حمیتی کی موٹی تہیں چڑھا رکھی تھیں۔ تاہم اس لحاظ سے کہ اس نے ایک جلیل القدر صحابی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کا دل اہل بیت اطہارؓ کی مصیبت پر کسی نہ کسی وقت ضرور پسیجتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت حسینؓ میدان دغا میں تنہا رہ گئے اور اعدائے نافرجام آپ پر چاروں طرف سے حملے کر رہے تھے تو حضرت زینبؓ خیمہ سے باہر نکلیں اور کہنے لگیں۔ اے کاش! آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین کو ڈھانپ لیتا۔ اتنے میں عمر ابن سعد ان کے قریب آیا۔ حضرت زینبؓ نے اس سے کہا کہ اے عمرو! کیا ابوعبداللہ (یعنی امام حسینؓ) شہید ہو جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟ یہ سن کر عمرو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کے رخساروں اور ڈاڑھی پر گرنے لگے اور اس نے جناب زینبؓ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ یہ اشک باری زبان حال سے اس حقیقت کا اظہار کر رہی تھی کہ گو حب جاہ و ریاست نے مجھے گروہ اشرار میں داخل کر رکھا ہے، لیکن میرا دل آپ حضرات کی ہمدردی سے بیگانہ نہیں ہے۔ عمرو نے اس

ہمدردی اور انصاف پسندی کا اس وقت بھی ثبوت دیا تھا۔ جبکہ شمر، امام زین العابدین علی ابن حسینؓ کو بحالت رنجوری وعلالت جرعہ شہادت پلانا چاہتا تھا اور عمرو بن سعد نے وہاں آ کر حکم دیا تھا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ جائے اور نہ کوئی شخص اس مریض لڑکے سے کسی قسم کا تعرض کرے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی نے ان کے مال ومتاع میں سے کچھ لیا ہو تو وہ واپس کر دے۔

عمرو بن سعد اور اس کے بیٹے کا قتل

ابن زیاد کی ہلاکت کے بعد ایک دن مختار نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ہلاک کروں گا جس کے بڑے پاؤں، گڑی ہوئی آنکھیں اور گھنی بھویں ہیں اور جس کے قتل سے اہل ایمان اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔ حاضرین مجلس میں ہثیم بن اسود نخعی نام ایک کوفی تاڑ گیا کہ مختار کی مراد عمرو بن سعد ہے۔ ہثیم نے گھر جا کر اپنے بیٹے کو یہ اطلاع دینے کے لئے ابن سعد کے پاس بھیجا کہ مختار نے تمہارے استہلاک کا تہیہ کر لیا ہے۔ یہ دیکھ کر عمرو نے عبداللہ بن جعدہ بن ہبیرہ کے پاس جا کر منت سماجت کی کہ مختار سے مجھے امان دلا دو۔ مختار عبداللہ بن جعدہ کا اس بنا پر بہت احترام کرتا تھا کہ انہیں امیر المومنین علیؓ سے قرابت تھی۔ یعنی وہ حضرت علیؓ کی خواہر محترمہ حضرت ام ہانیؓ کے پوتے تھے۔ عبداللہ نے مختار کے پاس سفارش لکھ بھیجی۔ مختار کی عادت تھی کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح ایسی لچک دار اور گول مول بات لکھا کرتا تھا کہ جس میں بوقت ضرورت انکار کرنے یا دوسرا مفہوم مراد لینے کی بہت گنجائش رہتی تھی۔ مختار نے بدیں الفاظ وعدہ امان لکھ دیا۔ یہ وعدہ امان مختار بن ابوعبیدہ کی جانب سے عمرو بن سعد کے لئے لکھا جاتا ہے۔ تمہاری جان، مال، اعزہ، اقرباء اور اولاد کو امان دی جاتی ہے۔ تم سے تمہارے سابقہ اعمال کا اس وقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ جب تک تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو گے۔ مختار ابن ابوعبید نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا ہے کہ وہ اس عہد امان کا ایفا کرے گا۔ بجز اس صورت کے کہ کوئی حدث (نیا واقعہ) رونما نہ ہو۔ استثناء کے عربی الفاظ یہ تھے۔ ان حدث حدثا! ان الفاظ کے معنی بظاہر یہ تھے کہ میں نے اس امان بخشی کے عہد کو نہیں توڑوں گا۔ لیکن چونکہ "حدث" عربی زبان میں خروج ریح اور بے وضو ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے متذکرہ صدر تحریر میں "حدث" سے بے وضو ہونا مراد لیا تھا۔ یعنی اس نے دل میں امان نامہ کو اس شرط کے ساتھ

مشروط کیا تھا کہ وہ بے وضو نہ ہو۔ لیکن چونکہ وہ اس کے بعد بار ہا بے وضو ہوتا رہا۔ اس لئے وعدہ امان غطر بود ہو گیا۔

دوسری صبح کو مختار نے عمرو کو ابو عمرہ نام ایک شخص کے ہاتھ بلا بھیجا۔ مختار نے جاتے وقت ابو عمرہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ٹھکانے لگا دینا۔ عمرو اٹھا۔ مگر چلتے ہوئے اپنے جبے میں اٹک کر گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر دارالامارت کوفہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ جب عمرو کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا تو اس وقت عمرو بن سعد کا بیٹا حفص بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو کہ یہ سر کس کا ہے۔ اس نے کہا ہاں! مگر باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب زندگی بے لطف ہے۔ یہ سن کر مختار نے اس کی بھی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے مقطوع سر کو بھی عمرو کے سر کے ساتھ رکھوا دیا مختار عمرو کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا یہ حسینؓ کے بدلے میں اور پھر حفص کے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا یہ علیؓ بن حسینؓ کے بدلے میں۔ گو ان دونوں کو ان دونوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کے بعد مختار قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر میں بنو قریش کے ثلث آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دوں تو وہ سب مل کر امام حسینؓ کی ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اب مختار نے عمر اور اس کے بیٹے کا سر حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس مکہ معظمہ بجھوا دیا۔ جو امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی تھے اور لکھا کہ میں امام حسینؓ کے قاتلوں کی فکر میں ہوں۔ بعض کو قتل کر چکا ہوں اور دوسروں کی تلاش میں ہوں۔

شمر ابن ذی الجوشن کی جاں ستانی

امام حسینؓ کی مخالفت میں شمر کی وہی حیثیت تھی جو فخر بنی آدم سیدنا احمد مجتبٰی ﷺ کی عداوت و ایذا رسانی میں ابو جہل کی تھی۔ ان دونوں کے حالات پڑھ جاؤ۔ قسوت و تیرہ دلی میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکو گے اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق نظر آئے گا تو صرف کفر اور دعویٰ اسلام کا فرق ہوگا۔ باطن کا حال بجز علام الغیوب عزاسمہٗ کے کوئی نہیں جان سکتا، لیکن شمر کا ظاہر قطعاً اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کچھ بھی حصہ ملا تھا۔ ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے بسہولت اندازہ ہو سکے گا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کہاں تک تعلق تھا؟

امام حسینؓ کے شرائط صلح کو مسترد کرا دیا

آغاز جنگ کربلا سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے عمرو بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو اپنے اور میرے لشکر کے درمیان مجھ سے ملو۔ عمر حسب الارشاد وہاں آیا اور دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ابن سعد اور امام حسینؓ میں تین چار اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ انجام کار امام حسینؓ نے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو مجھے حجاز واپس جانے دو۔ یا مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دو جس کو تم پسند کرو۔ یا یزید کے پاس دمشق روانہ کر دو، تاکہ میں اور وہ ہر بات کا خود ہی تصفیہ کر لیں۔ یہ وہ آخری شرائط تھے جو چار پانچ دن کی بحث و تمحیص کے بعد امام حسینؓ نے منظور کئے تھے۔ عمرو کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن زیاد اس میں کسی نہ کسی شرط کو ضرور منظور کر لے گا۔ چنانچہ عمر نے ابن زیاد کو لکھا کہ خدا نے آگ بجھا دی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے۔ حسینؓ نے انجام کار یہ تین شرائطیں پیش کی ہیں۔ اب ان شرائط میں تمہارے لئے وجہ رضا مندی اور امت کے لئے وجوہ اصلاح وفلاح موجود ہیں۔ ابن زیاد یہ خط پڑھ کر خوش ہوا اور عمرو کی نسبت کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بھی خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ میں ان شرائط کو قبول کرتا ہوں۔ بدقسمتی سے شمر ابن ذی الجوشن ایسا تیرہ دل شخص بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور ابن زیاد سے کہنے لگا جب حسینؓ'' تمہاری زمین میں اور بالکل تمہارے پہلو میں اترا ہوا ہے تو آپ یہ شرطیں کیوں منظور کرتے ہیں؟ اس کے بعد شمر کہنے لگا خدا کی قسم! اگر وہ تمہارے بلاد سے واپس چلا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا تو وہ جا کر بڑی قوت حاصل کر لے گا اور تم لوگ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ اس کے بعد بولا خدا کی قسم! حسینؓ اور عمرو ساری ساری رات اپنے لشکروں کے مابین باہم دوستانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد کا خیال بدل گیا اور شمر سے کہنے لگا۔ اچھا تم میرا خط لے کر عمرو کے پاس جاؤ اور اگر میرے حکم کی تعمیل کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اگر اعراض کرے تو تم ہی اس فوج کے امیر بن جاؤ اور عمرو کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ اس کے بعد عمرو بن سعد کے نام یہ خط لکھ کر شمر کو دیا کہ میں نے تم کو حسینؓ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو امیدیں دلاؤ یا اس پر

مہربانی کر دیا مجھ سے اس کی سفارش کرو۔ دیکھو اگر حسینؓ اور اس کے ساتھی میرے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو میرے پاس بھیج دو، لیکن اگر اس سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر کے قتل کر دو۔ جب حسینؓ قتل ہو جائے تو گھوڑوں سے اس کے سینے اور پشت کو روند ڈالو۔ کیونکہ وہ عاق، شاق، قاطع اور ظالم ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں اطاعت شعاروں کی سی جزا دیں گے اور اگر سرتابی کرو تو ہماری فوج سے علیحدہ ہو کر اس کو شمر کے حوالے کر دو۔ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمرو کے پاس پہنچا تو عمرو کہنے لگا۔ خدا تجھے غارت کرے۔ یہ میرے پاس کیا لے آیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تو نے ہی ابن زیاد کو شرائط صلح کے قبول کرنے سے باز رکھا ہے۔ افسوس! تو نے سارا معاملہ جس کے سدھر جانے کی پوری امید تھی درہم برہم کر دیا۔ واللہ حسینؓ کبھی اطاعت نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا سا دل ہے۔ شمر نے کہا اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ عمرو نے جس پر جاہ طلبی کا بھوت سوار تھا جواب دیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں کو امان

جس وقت ابن زیاد نے عمرو کے نام خط لکھ کر شمر کو دیا تھا۔ اس وقت کوفہ کا ایک رئیس عبداللہ ابن ابومحل نام، ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا جن ایام میں امیر المومنین علیؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ آپ عبداللہ ابن ابومحل کی پھوپھی ام البنین بنت حزام کو اپنے حبالہ نکاح میں لائے تھے۔ جن کے بطن سے امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن ابومحل نے ابن زیاد سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہماری پھوپھی کے بیٹوں کو امان دے دو۔ ابن زیاد نے امان کا حکم لکھ کر شمر کو دے دیا۔ جب شمر کوفہ سے کربلا آیا تو امام حسینؓ کے قیام گاہ کے پاس جا کر عباس ابن علیؓ اور ان کے بھائیوں کو بلایا۔ وہ آئے تو شمر کہنے لگا اے میری بہن کے بچو! تم چاروں کو امان ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ خدا تم پر اور تمہاری ماں پر لعنت کرے۔ اگر تم ہمارے ماموں ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو تو امان دیتے ہو، لیکن رسول خدا ﷺ کے فرزند کے لئے امان نہیں ہے؟ شمر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور واپس چلا گیا۔ چونکہ امام حسینؓ نے ابن

زیاد کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے شمر فوج لیے ہوئے مقابلہ کے لیے نکلا۔ امام حسینؓ کے لشکر میں سے زہیر ابن قیس گھوڑے پر سوار ہو کر شمشیر بکف آگے بڑھے اور کہا۔ اے اہل کوفہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس وقت تک ہم بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین پر ہیں۔ یاد رکھو! حضرت فاطمہؓ کا فرزند، سمیہ کے بچے کی نسبت دوستی اور معاونت کا زیادہ حق دار ہے۔ سمیہ جو عام طور پر سمیہ زانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن زیاد کی دادی تھی۔ یزید کے دادا ابوسفیان بن حرب نے اس سے عہد جہالت میں زنا کیا تھا اور اس ناجائز تعلق سے عبیداللہ کا باپ زیاد پیدا ہوا تھا۔ جناب زہیر نے کہا! اگر تم اپنے نبی کے نواسے کی امداد نہیں کرتے، نہ سہی۔ لیکن تم خدا سے پناہ مانگو کہ تم ان کے قتل کے مجرم بنو۔ میری رائے میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تم لوگ امام حسینؓ اور ان کے عم زاد بھائی یزید بن معاویہ کو خود ہی آپس تصفیہ کر لینے دو۔ یقین ہے کہ یزید تم سے امام حسینؓ کے قتل کئے بغیر بھی خوش ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں شمر نے ان پر ایک تیر چلا دیا اور کہنے لگا۔ بس چپ رہ۔ خدا تجھے غارت کرے۔ تو تو بک بک کر کے ہمارا دماغ چاٹ گیا۔ زہیر نے یزید کو امام حسینؓ کا عم زاد بھائی اس لئے بتایا کہ دونوں قریشی تھے۔

شمر کی دریدہ دہنی

عاشورہ کے دن امام حسینؓ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کے لئے تیار کر کے نماز صبح ادا کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ عمرو بن سعد بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ امام حسینؓ نے زہیر بن قیس کو میمنہ پر اور حبیب ابن مظہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علیؓ کو دیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ اہل بیت کے خیمے ان کے عقب میں تھے۔ حضرت امامؓ نے رات ہی کو خیموں کے پیچھے کی زمین کھدوا کر ایک طویل خندق بھی بنوا دی تھی۔ جو تیاری کے بعد ایک چھوٹی سی خشک نہر بن گئی تھی۔ یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ عقب سے حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے اس گہرائی میں بھر دیں اور ان کو آگ لگا دیں۔ جب اعداء کے لشکر لکڑیوں کو سلگتے اور شعلے بلند ہوتے دیکھا تو شمر لعین نے پکار کر امام

حسینؓ سے کہا کہ تم نے تو قیامت سے پہلے ہی دوزخ میں پڑنے کا سامان کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں جلنے کا تو تو سب سے زیادہ مستحق ہے۔

اہل بیتؓ کے بچوں اور مخدرات عالیہ کو آگ میں جلا دینے کا اقدام

اہل حق کی طرف سے کلبی نام ایک بزرگ نے نہایت شجاعت کے ساتھ لڑ کر ایک کاری زخم کھایا۔ جب وہ دم توڑ رہے تھے تو ان کی بیوی باہر نکل کر اپنے شوہر کے پاس آئیں اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر کے کہنے لگیں۔ آپ کو جنت مبارک ہو۔ یہ دیکھ کر شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ جا کر اس عورت کو بھی اس کے شوہر کے پاس پہنچا دو۔ اس نابکار نے آتے ہی کلبی شہید کی بیوی کے سر پر اس زور سے ڈنڈا رسید کیا کہ وہ بیچاری آناً فاناً اپنی مظلومیت کی چادر اوڑھے عالم بالا کو چلی گئیں۔ پھر شمر حملہ کرتے کرتے اس غرض سے حضرت امام حسینؓ کے خیموں تک پہنچ گیا کہ ان کو مکینوں سمیت جلا دے۔ مخدرات اہل بیتؓ چیخنے اور نکل نکل کر بھاگنے لگیں۔ امام حسینؓ نے بآواز بلند کہا کہ اے شمر! تو میرے اہل بیتؓ کو جلاتا ہے۔ خدا تجھے آگ میں جلائے۔ حمید ابن مسلم جو کوفی فوج کا ایک رکن رکین تھا۔ شمر سے کہنے لگا کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم انہیں خدا کا عذاب دو۔ (یعنی آتش سوزاں میں جلاؤ)۔ عورتوں کی جان لو اور ریاض ملت کے نو دمیدہ غنچوں کو قطع کرو۔ حالانکہ تم مردوں ہی کے قتل سے اپنے امیر کو خوش کر سکتے ہو۔ لیکن وہ سنگ دل نابجار نہ مانا۔ آخر شبث ابن ربعی رئیس کوفہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا تو بمشکل باز آیا۔

امام زین العابدینؓ کی جاں ستانی کا نامبارک عزم

جب امام حسینؓ کے تمام اقرباء اور جان نثار اموی ستم آرائی کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ممدوح یکہ و تنہا میدان کارزار میں رہ گئے تو اعدائے نافرجام نے ان پر چپ و راست سے حملے شروع کر دیئے۔ حضرت حسینؓ نے اپنے تحفظ و دفاع کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک مرتبہ تو داہنی طرف کے اشقیاء پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیتے اور پھر بائیں طرف کے دشمنوں کو جا کر پامال کرنے کی کوشش فرماتے۔ خود یزیدی لشکر کے مقتدر لوگوں کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ کسی فرد واحد کو جو بالکل بے یار و مددگار ہو۔ ان سے زیادہ مربوط، پرجوش، قوی دل اور جری نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ ان کے حملہ آور چپ و راست سے

اس طرح چھنٹ چھنٹ کر الگ ہو جاتے تھے جس طرح کوئی شیر چوپاؤں کے ریوڑ پر جا پڑے اور وہ بدحواس ہو کر چاروں طرف بھاگیں۔ حضرت حسینؓ اس وقت بہادر شہسوار کی طرح پا پیادہ ہی لڑ رہے تھے۔ آپ تیروں کے واروں کو روکتے جاتے تھے اور اعداء کی صفوں میں جہاں کہیں تخلل پیدا ہوتا تھا اسی جگہ حملہ آور ہو کر کہتے جاتے تھے۔ خدا کی قسم! تم میرے بعد خدا کے کسی ایسے بندے کو نہ قتل کرو گے جس کا قتل میری جاں ستانی سے زیادہ تم پر قہر الٰہی نازل کرے۔ منتقم حقیقی تم سے میرا ایسا انتقام لے گا کہ جس کا تم لوگوں کو سان گمان نہ ہو گا۔ امام حسینؓ اس طرح بہت دیر تک تابڑ توڑ حملے کرتے اور حفظ و دفاع کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ آخر نہایت تھک کر سستانے کے لئے وہیں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کے جسد اطہر پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ۶۷ زخم تھے۔ اس حالت میں اعداء چاہتے تو قاطبۃً حملہ کر کے آپ کو رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچا سکتے تھے۔ مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہر کوئی ایک دوسرے کی پناہ لیتا پھرتا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ اس کام کو انجام دیں اور وہ خود نہ کرے۔ یہ کیفیت دیکھ کر شمر نے لوگوں کو للکار کر کہا تمہارا برا ہو۔ تم لوگ کس انتظار میں ہو۔ اس شخص کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے حملے ہوئے اور آپ کو آناً فاناً ریاض فردوس میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد شمر اپنے تیرہ دل ساتھیوں کو لے کر حضرت امام زین العابدین علی بن حسینؓ کی طرف چلا جو علیل تھے اور علالت ہی کی وجہ سے شریک کارزار نہ ہو سکے تھے۔ شمر نے ان کو شربت شہادت پلا کر خاندان نبوت کی آخری زندہ یادگار کو بھی دنیا سے معدوم کر دینا چاہا، لیکن ایک کوفی رئیس حمید بن مسلم نے کہا کیا تم بچوں کو بھی قتل کرو گے؟ وہ رک گیا۔ اتنے میں عمرو ابن سعد نے آ کر سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔

شمر کی ہلاکت

مختار نے اپنے غلام ذربی کو شمر ابن ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ شمر کے ایک رفیق کار مسلم ابن عبداللہ ضبابی کا بیان ہے کہ مختار کے غلام ذربی نے ہمارا تعاقب کیا اور ہمیں آلیا۔ ہم اپنے دبلے پتلے تیز رو گھوڑوں پر کوفہ سے نکل چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو شمر ہم سے کہنے لگا کہ تم اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ۔ غالباً یہ غلام میری ہی تاک میں آیا ہے۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی۔ اتنے میں غلام نے آ کر شمر پر حملہ کیا۔ پہلے تو شمر نے مدافعت پر اکتفاء کیا۔ اس کے بعد

ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ ذربی کو قتل کر کے شمر کلتانیہ نام ایک گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا اور گاؤں سے باہر ایک ٹیلے کے پاس فروکش ہوا۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ اس کے بعد شمر نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر پہلے تو اسے مرعوب کرنے کے لئے پیٹا۔ پھر کہا کہ میرا یہ خط مصعب ابن زبیرؓ کے پاس بصرہ لے جاؤ۔ مصعب ابن زبیرؓ حضرت امام حسینؑ کے داماد۔ یعنی جناب سکینہؑ کے شوہر اور اپنے بھائی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ شمر نے اس خط میں درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لو۔ کسان یہ خط لے کر بصرہ روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ابو عمرہ نام مختار کا اہل کار رہتا تھا۔ کسان کو اس گاؤں کا ایک اور کسان ملا جس سے اس کی پرانی ملاقات تھی۔ وہ اس سے شمر کی بدسلوکی اور ایذا رسانی کا شکوہ کرنے لگا۔ یہ دونوں کھڑے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ابو عمرہ کا ایک سپاہی ان کے پاس سے گزرا۔ جس کا نام عبد الرحمٰن ابن ابو کنود تھا۔ اس نے کسان کی باتیں سن کر خط لے لیا اور پڑھ کر پوچھنے لگا۔ شمر کہاں ہے؟ اس نے اس کا پتہ بتایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس جگہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ لوگ شمر کی طرف چلے۔ میں اس رات شمر ہی کے ہمراہ تھا۔ ہم لوگوں نے شمر سے کہا۔ کاش! تم ہمیں اس گاؤں سے لے چلتے۔ ہم یہاں سخت خوف زدہ ہیں۔ شمر نے کہا یہ خوف اسی کذاب (مختار) کی چیرہ دستیوں کا نتیجہ ہے۔ اس مقام پر ریچھوں کی بڑی کثرت تھی۔ میں نیم بیدار تھا۔ اتنے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ریچھ ہوں گے۔ مگر جب آواز زیادہ شدید ہوئی تو میں جاگ اٹھا اور یقین ہوا کہ یہ ریچھوں کی آواز نہیں ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کے سوار ٹیلے سے اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے اور آتے ہی صدائے تکبیر بلند کی۔ ہم اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے۔ شمر نے بڑی پھرتی سے نیزہ اٹھایا اور ہر طرف وار کرنے لگا۔ وہ اس وقت یہ رجز یہ اشعار پڑھ پڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ (ترجمہ: تم نے کچھار کے ایک دلیر اور خون آشام شیر کو برانگیختہ کیا ہے جو مضبوط اور توانا ہے اور کندھے توڑتا ہے۔ وہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہو کر نہیں سوتا۔ بلکہ لڑتا اور لڑاتا رہتا ہے۔ ان کو تلوار کی ضرب سے جدا کرتا اور اپنے نیزے کو سیراب کرتا ہے) اب شمر نے نیزہ چھوڑ کر تلوار اٹھائی اور اس سے لڑتا رہا۔ آخر عبدالرحمٰن ابن ابو کنود نے اس کے ایک ایسی تلوار ماری کہ لڑکھڑا کر گرا اور

جان دے دی۔ جب وہ ہلاک ہوگیا تو یہ لوگ اس کی نجس لاش کو کتوں کی غذا بننے کے لئے ایک گڑھے میں پھینک کر اپنے گاؤں کو واپس چلے آئے۔

دوسرے اشقیاء کی ہلاکت

خولی ابن یزید کا قتل اور سنان ابن انس کا فرار

جب ارباب زیغ کی برق جور وستم حضرت حسینؓ کے اقرباء اور اعوان وانصار پر گر کر ان کو بے جان کر چکی اور حضرت امام حسینؓ بے یار ومددگار رہ گئے تو اعداء نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زخموں سے تو پہلے ہی نڈھال ہو رہے تھے۔ زرعہ ابن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ اور دوش مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت جناب ممدوح کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ ایسی حالت میں سنان ابن انس نخعی نے آپ پر نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اب سنان نے اپنے رفیق کار خولی ابن یزید سے کہا کہ اب تم وار کر کے سر کو تن سے جدا کر دو۔ اس نے چاہا کہ ایسا کرے۔ مگر ضعف اور کپکپی کی وجہ سے اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو شربت شہادت پلایا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر خولی کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت امام حسینؓ کی جان لینے میں جن اشقیاء نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ وہ سب کے سب شمر لعین کے کوفی چیلے چانٹے تھے۔ اس قیامت خیز حادثہ کے بعد یزیدی سپاہیوں نے سنان سے کہا۔ تم نے حسینؓ کی جان لے کر سب سے بڑے ''خطرناک'' عرب کو قتل کیا ہے۔ اب تم اپنے امیر کے پاس جا کر انعام طلب کرو۔ وہ جا کر عمرو بن سعد کے خیمہ کے دروازے پر بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا۔ (ترجمہ) میری رکاب کو سونے اور چاندی سے بھر دو۔ کیونکہ میں نے ایک نامور سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے ایسے شخص کی جان لی ہے جو بلحاظ مادر و پدر اور باعتبار حسب ونسب بہترین شخص تھا۔

عمرو ابن سعد نے پہرہ داروں سے کہا۔ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ عمرو کے سامنے گیا تو عمرو نے اسے ایک لکڑی مار کر بٹھلا دیا اور کہا کہ تو دیوانہ ہے جو ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔ آخر جب مختار نے مقاتلین امام حسینؓ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ بصرہ کی

طرف بھاگ گیا۔ پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا؟ مختار نے اس کے مکان کو منہدم کرا دیا۔

خولی ابن یزید حضرت امام حسینؑ پر قاتلانہ حملے کرنے سے پہلے آپ کے تین بھائیوں جعفر ابن علیؑ، عبداللہ بن علیؑ اور عثمان ابن علیؑ کو جرعہ شہادت پلا چکا تھا۔ ان تینوں کی والدہ ام البنین کوفہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ یہی خولی امام حسینؑ کا سر مبارک کربلا سے اپنے ہمراہ کوفہ لایا تھا۔ خولی سر مبارک کو لئے ہوئے قصر امارت میں پہنچا تو قصر کو بند پا کر اپنے گھر چلا آیا اور سر کو ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اپنی بیوی عیوف بنت مالک سے جو حضر موت کی رہنے والی تھی کہنے لگا۔ میں تیرے لئے ہمیشہ کی دولت مندی لایا ہوں۔ یہ دیکھ حسینؑ کا سر تیرے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا بد بخت ڈوب مر! لوگ تو سونا چاندی لاتے ہیں اور تو ابن رسولؐ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب میرا اور تیرا سر دونوں ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس نیک سرشت خاتون کا بیان ہے کہ اس وقت ایک نور آسمان کی طرف سے امام حسینؑ کے سر مبارک کی طرف آ رہا تھا اور ایک سفید پرند اس کے اردگرد منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔ جب مختار نے اپنے سلسلہ دار و گیر میں اپنے آدمی خولی ابن یزید کے پکڑنے کو بھیجے تو وہ روپوش ہو گیا۔ مختار کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بیوی جو اسی وقت سے اس کی دشمن ہو گئی تھی جب کہ وہ حضرت حسینؑ کا سر مبارک اپنے گھر میں لایا تھا۔ ان سے پوچھنے لگی تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے زبان سے تو لاعلمی ظاہر کی۔ مگر ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔ یہ اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ایک ٹوکرا رکھے بیٹھا ہے۔ یہ اسے باہر کھینچ لائے۔ مختار اس وقت کوفہ میں ایک جگہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ اس وقت ابن کامل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی کہ خولی گرفتار ہو گیا ہے۔ مختار وہاں پہنچا اور حکم دیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کے سامنے لا کر قتل کرو اور پھر آگ میں جلا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جب تک اس کی لاش جل کر خاکستر نہ ہو گئی۔ مختار وہیں ٹھہرا رہا۔

حصین ابن نمیر کا قتل

حصین ابن نمیر کوفہ کے محکمہ پولیس کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ کی آمد

آمد تھی تو ابن زیاد نے اسے کربلا کی یزیدی فوج کے زرہ پوش سواروں کا بھی افسر بنا دیا۔ اس کی شقاوت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت قریب آیا تو ابو ثمامہ صائدی امام حسینؓ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے۔ میری جان آپ پر قربان ہو اے ابن رسولؐ میری خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ میں نے اس وقت کی نماز ادا کر لی ہو۔ امام حسینؓ نے فرمایا۔ تم نے نماز کو یاد کیا ہے۔ خدا تم کو مصلیوں اور ذاکروں کے زمرہ میں داخل کرے۔ ہاں اب نماز کا وقت شروع ہے۔ مگر ذرا جا کر فریق مقابل سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر کے لئے حملہ آوری سے رک جائیں۔ تا کہ ہم نماز ادا کر لیں۔ حصین ابن نمیر نے پکار کر کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے جو امام حسینؓ کے جان نثاروں میں تھے جواب دیا۔ او گدھے! تو سمجھتا ہے کہ آل رسول ﷺ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہو جائے گی؟ حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے چہرے پر تلوار ماردی۔ حصین لڑکھڑا کر گرا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے اسے بچا لیا اور شاید اسی روز کا واقعہ ہے کہ امام حسینؓ پر تشنگی نے غلبہ کیا۔ آپ پانی پینے کے لئے دریائے فرات پر گئے۔ حصین ابن نمیر نے آپ پر ایک تیر پھینکا جو رخ انور پر لگا۔ امام حسینؓ نے اپنے خون کو اپنے ہاتھ میں جمع کر کے آسمان کی طرف پھینکا اور خدائے قدوس کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔ الٰہی! میں تیرے پاس اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے نبی کے نواسےؓ سے روا رکھا جا رہا ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کو چن چن کر ہلاک کر، لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے آپ کے چہرہ منور پر تیر مارا تھا۔ وہ حصین ابن نمیر نہ تھا۔ بلکہ قبیلہ بنو ابان کا ایک شخص تھا۔ خدائے شدید العقاب نے اسے پیاس کے مرض میں مبتلا کر دیا کہ کبھی پانی سے سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ ہر چند اس کے لیے پنکھے جھلے جاتے تھے اور سرد پانی اور شربت دیا جاتا تھا۔ مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ہر وقت یہی کہتا تھا کہ مجھے پانی دو۔ پانی دو۔ پیاس نے مجھے مار ڈالا۔ کچھ عرصہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہا۔ آخر اس کا پیٹ اونٹ کے شکم کی طرح پھول کر پھٹ گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ حصین بن نمیر بھی ابن زیاد کے ساتھ جنگ موصل میں قتل ہوا تھا۔ اس کا حملہ آور شریک ابن جدیر تغلبی تھا۔ وہ اس کو ابن زیاد سمجھ کر چمٹ گیا اور آواز دی کہ جلد آؤ اور ابن زانیہ (ابن زیاد) کو ہلاک کر دو۔ چنانچہ مختار کی فوج کے آدمی پہنچے اور ابن نمیر پر حملہ کر کے اسے خاک ہلاک پر لٹا دیا۔

مرہ ابن منقذ پر حملہ اور اس کا فرار

مرہ ابن منقذ عبدی نے امام حسینؓ کے صاحبزادہ علی اکبرؓ کو جام شہادت پلایا تھا۔ علی اکبرؓ کی والدہ لیلی بنت ابو مرہ بن عرضہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جناب علی اکبرؓ نے میدان جانستان میں آ کر ابھی یہ رجزیہ اشعار ہی شروع کئے تھے کہ مرہ نے ان پر نیزے کا وار کیا۔ وہ گر گئے اور اعداء نے بڑھ کر ان کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ امام حسینؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے۔ اے میرے بچے! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ خدا ان کو قتل کرے۔ اف! یہ لوگ خدائے عزیز و جبار کا مقابلہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی آبروریزی میں کس قدر بیباک ہیں؟ بیٹا! تیرے بعد دنیا ایک چٹیل میدان ہے۔ پھر امام حسینؓ اپنے چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اپنے بھائی کو اٹھا لے چلو۔ حکیم ابن طفیل کی جانستانی کے بعد مختار نے حضرت علی اکبرؓ کے قاتل مرہ ابن منقذ کی طلب میں آدمی بھیجے۔ یہ بڑا جنگجو آدمی تھا۔ مختار کے آدمیوں نے جا کر اس کا مکان گھیر لیا۔ وہ اپنے تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے برآمد ہوا اور حملہ آوروں پر نیزہ زنی کرتا رہا۔ مگر اس کے نیزہ سے کسی کو گزند نہ پہنچا۔ ابن کامل نے تلوار سے اس پر وار کئے۔ وہ ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکتا گیا۔ اس طرح تلوار اس کے ہاتھ میں اتر گئی۔ یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا اسے اس تیزی سے لے اڑا کہ یہ لوگ اسے کسی طرح نہ پا سکے۔ یہاں سے وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ مگر اس کے بعد اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل اور بیکار ہو گیا۔

زید بن رقاد حبانی کی ہلاکت

حضرت مسلم ابن عقیل کو جو جناب امام حسینؓ کے عم زاد بھائی تھے کربلا کے قیامت خیز خونین حوادث سے تھوڑے ہی دن پہلے ابن زیاد نے کوفہ کے قصر امارت کی چھت پر قتل کرایا تھا۔ ان کے دو خوردسال فرزند تو انہی کیساتھ کوفہ میں ابن زیاد کے تیر جفا کا نشانہ بن کر دنیا سے گزر گئے تھے۔ تیسرے صاحبزادہ عبداللہ جوان دونوں سے بڑے تھے۔ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا آئے ہوئے تھے۔ زید ابن رقاد جبانی نے ان کی جان لے کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی خرید لی۔ یہ نابکار خود از راہ فخر اس بات کا مدعی تھا کہ میں نے عبداللہ بن مسلم کو

جرعہ مرگ پلایا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ جب میں نے عبداللہ کے تیر مارا تو اس نوجوان نے اپنی پیشانی کو پیکان سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مگر میرے تیر نے اس ہاتھ کو پیشانی کیساتھ ایسا پیوست کر دیا کہ وہ اسے پیشانی سے ہٹا نہ سکا جب اس کا ہاتھ پیشانی سے کسی طرح علیحدہ نہ ہو سکا تو اس نے دعا مانگی: الہٰی! جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اسی طرح تو بھی انہیں ہلاک کر۔ اس کے بعد میں نے ایک اور تیر چلایا۔ جس نے اس لڑکے کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے مقتول کے پاس آیا جس تیر سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی تھی وہ تو میں نے آسانی سے اس کے شکم میں سے نکال لیا۔ مگر دوسرے تیر کو جو پیشانی پر لگا تھا نکالنے کی بہت جدوجہد کی۔ اس کی لکڑی تو میرے ہاتھ میں آ گئی مگر پیکان پیشانی ہی میں پیوست رہا اور اسے میں نہ نکال سکا۔ مختار نے اس کی تلاش کے لئے پولیس روانہ کی۔ جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو وہ تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا۔ ابن کامل نے جو پولیس افسر تھا اپنے آدمیوں سے کہا کہ کوئی شخص اس پر تلوار یا نیزہ نہ چلائے۔ بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہی اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ ابن کامل نے کہا کہ اگر کچھ رمق باقی ہو تو اسے باہر لے کر آؤ۔ وہ باہر لائے تو ابھی زندہ تھا۔ ابن کامل نے آگ منگوا کر اسے زندہ ہی آگ میں جھونک دیا۔

عمرو ابن حجاج زبیدی کی ہلاکت

جس طرح بہت سے ٹوڈی لوگ اپنی سرکار پرستی پر فخر کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح عمرو ابن حجاج کو بھی اپنے امیر المومنین (یزید) کی وفادار رعایا ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کربلا کے ایک معرکہ میں اعداء دست بدست لڑائی کرنے کی غرض سے آگے بڑھے، لیکن ان کا جو آدمی بھی مقابلہ پر آیا۔ وہ وہیں کھیت ہو رہا۔ یہ دیکھ کر عمرو بن حجاج نے جو میمنہ کا افسر تھا چلا کر یزیدی فوج سے کہا کہ اے شہسوارو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ تم ایسے لوگوں سے برسر پیکار ہو جو موت کے خواہاں ہیں۔ خبردار! آئندہ کوئی شخص ان سے دست بدست مبارزہ کرنے کے لئے نہ نکلے۔ کیونکہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں۔ ان میں سے بچ کر کوئی مشکل ہی سے جا سکے گا۔ تم تو ان پر سنگباری ہی کرتے تو بھی ان کو مستاحل و معدوم کر سکتے تھے۔

اہل کوفہ اپنی طاعت اور جماعت کا التزام رکھو اور اس شخص (امام حسینؓ) کے قتل میں مطلق تردد نہ کرو۔ جس نے دین میں رخنہ اندازی کی اور امام (یزید) سے برسر خلاف ہوا۔ امام حسینؓ نے اس کا بیان سن کر فرمایا: اے عمرو ابن حجاج! کیا تم لوگوں کو میرے خلاف مشتعل و برانگیختہ کرتے ہو؟ کیا ہم نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے یا تم نے؟ واللہ! جب تمہاری روحیں قبض کی جائیں گی اور تم دنیا سے بصد حسرت و یاس کوچ کرو گے۔ تب تم پر حقیقت حال کھلے گی۔ جو اشقیاء پانی کی بندش پر متعین تھے۔ عمرو ابن حجاج ان کا افسر تھا۔ جب امام حسینؓ اور آپ کے انصار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی عباسؓ کو بلایا۔ تیس سوار بیس پیادے اور بیس مشکیں ان کیساتھ کردیں اور پانی کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کے وقت دریا پر پہنچے۔ جناب نافعؓ ابن ہلال علم لئے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئے۔ عمرو ابن حجاج پکارا۔ کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ نافع نے کہا۔ پانی پینے آئے ہیں۔ ابن حجاج نے کہا۔ تم لوگوں کو پانی پینے کی اجازت نہیں۔ ہم یہاں اسی لئے متعین ہیں کہ پانی نہ لینے دیں۔ نافع نے پیادوں سے کہا کہ تم جا کر پانی بھرو۔ پیادے دوڑ پڑے اور سب نے اپنی اپنی مشکیں بھر لیں۔ عمرو ابن حجاج نے اپنی جمعیت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ جناب عباسؓ ابن علیؓ اور ان کے سواروں نے جوابی حملہ کر کے سب کا منہ پھیر دیا۔ اب عباس نے پیادوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ اور خود دشمن کو روکنے کے لئے ٹھہرے رہے۔ اتنے میں عمرو پھر پلٹ پڑا اور مقابلہ شروع کر دیا۔ نافع بن ہلال نے ایک یزیدی پر نیزہ کا وار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور انصار حسینؓ بھری ہوئی مشکیں لے کر صحیح و سلامت اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ مختار نے عمرو کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے۔ اس کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ جھٹ اس باد پیما پر سوار ہو کر واقصہ کی راہ لی اور قیامت تک کے لئے مفقود ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مختار کے آدمیوں نے اسے ایسے حال میں جا پکڑا جبکہ وہ شدت تشنگی سے جاں بلب تھا۔ انہوں نے ہلاک کر کے اس کا سر اتار لیا۔

عبدالرحمٰن بجلی کا قتل

عبدالرحمٰن بجلی جناب مسلم بن عوسجہؓ کا قاتل ہے جو کوفہ میں جناب مسلم ابن عقیلؓ کے سب سے بڑے معاون تھے۔ جناب مسلم ابن عقیلؓ کی شہادت کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے

جیسے ہی سنا کہ امام حسینؓ تشریف لا رہے ہیں۔تو یہ آ کر ان کے شریک حال ہو گئے۔امام حسینؓ کے اعوان و انصار میں مسلم ابن عوسجہ اسدیؒ سب سے پہلے زخمی ہوئے تھے۔ایک مرتبہ عمرو ابن حجاج نے حضرت امام حسینؓ پر فرات کی طرف سے حملہ کیا۔تھوڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی۔جب عمرو ابن حجاج حملہ کر کے پلٹا تو معلوم ہوا کہ مسلم ابن عوسجہ زخم خوردہ زمین پر پڑے ہیں۔ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ حضرت امام حسینؓ ان کے پاس آئے اور کہا۔مسلم! خدا تم پر رحم کرے۔پھر حبیب ابن مظاہر نے ان کے قریب آ کر کہا۔اے ابن عوسجہ! مجھے تمہارے قتل کا بڑا قلق ہے، لیکن تمہیں بہشت مبارک ہو۔ابن عوسجہؒ نے نہایت آہستگی سے جواب دیا۔خدا تم کو بھی خیر و خوبی مبارک کرے۔حبیب نے کہا میں بھی ابھی تمہارے ہی پاس آنے کو ہوں۔ورنہ تم سے کہتا کہ کچھ وصیت کر جاؤ۔مسلم ابن عوسجہؒ نے امام حسینؓ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ بس ان پر اپنی جان فدا کرنا۔حبیب نے کہا۔واللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔جب مسلم ابن عوسجہؒ کی روح نے تن سے مفارقت اختیار کی تو ان کی کنیز ان کا نام لے لے کر بین کرنے لگی۔عمرو ابن حجاج کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے کہ ہم نے مسلم ابن عوسجہؒ کو قتل کر دیا۔شیث ابن ربعی کوفی جو یزیدی لشکر میں ایک سربرآوردہ رئیس تھا۔اپنے آدمیوں سے کہنے لگا۔خدا تمہیں غارت کرے۔اپنے عزیزوں کو اپنے ہی ہاتھ سے قتل کرتے ہو اور پھر خوشیاں مناتے ہو اور عزیز بھی مسلم ابن عوسجہؒ ایسا شخص جو کوفہ کا مایہ ناز تھا۔اس کے بعد کہنے لگا۔واللہ! میں نے آذربیجان کے معرکہ میں بچشم خود دیکھا تھا کہ ابھی مسلمانوں کے سوار کافروں کے مقابلہ میں آنے بھی نہیں پائے تھے کہ مسلم ابن عوسجہؒ چھ کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔افسوس تم ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی جان لے کر خوش ہو رہے ہو۔مسلم بن عوسجہؒ کو عبدالرحمٰن بجلی اور مسلم ابن عبداللہ ضبابی نے قتل کیا تھا۔مختار نے حکم دیا کہ عبدالرحمٰن ابن ابوخشارہ بجلی اور کوفہ کے فلاں فلاں یزیدی اشقیاء حاضر کئے جائیں۔پولیس عبدالرحمٰن بجلی کے ساتھ زیاد ابن مالک ضبعی، عمران ابن خالد قشیری اور عبداللہ ابن قیس خولانی کو بھی پکڑ لائی۔مختار نے ان سے کہا۔اے صالحین امت کے قتل کرنے والو! اور اے سید شباب اہل الجنۃؓ کی جان لینے والے بھیڑیو! آج خدا نے تم سے خوب انتقام لیا ہے۔یہ کہہ کر حکم دیا کہ سب کر گردنیں ماردی جائیں۔چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اپنے سینہ پر رنج کے صد ہزار داغ لے کر اس عبرت کدہ ہستی سے چلے گئے۔

مالک ابن نسیر بدی کی جانستانی

مالک ابن نسیر بدی وہی شقی ہے جس کے پاس حضرت حسینؓ کی ٹوپی تھی۔ غالباً شہادت ہی کے روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ تن تنہا میدان کارزار میں کھڑے رہے۔ کسی نے تعرض نہ کیا اور صبح کا بہت سا وقت اسی حالت میں گذر گیا۔ جب کبھی کوئی کوئی آپ کی طرف آتا تو جھجک کر واپس چلا جاتا اور آپ کو ضرر پہنچانے اور اپنے سر گناہ عظیم لینے کی جسارت نہ کرتا۔ آخر قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص مالک ابن نسیر بدی آپ کی طرف بڑھا اور تلوار سے آپ کے سر مبارک پر وار کیا جس سے آپ کی ٹوپی کٹ گئی۔ سر خون آلود ہو گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام حسینؓ نے اس سے کہا۔ خدا ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے۔ پھر امام حسینؓ نے اس خون سے لتھڑی ہوئی ٹوپی کو سر سے اتار کر پھینک دیا اور دوسری ٹوپی پہن لی۔ بدی نے پہلی ٹوپی اٹھالی اور اپنے اہل وعیال میں لاکر اسے دھونے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے کہا۔ کیا ابن رسول اللہ ﷺ کا چھینا ہوا لباس تو میرے گھر لاتا ہے؟ میرے پاس سے چلا جا۔ یہ شخص اس کے بعد سخت مفلس وقلاش ہو گیا اور ساری عمر فقر و فاقہ میں گذاری۔ انجام کار جب مختار نے پکڑ دھکڑ شروع کی تو بدی اور چند دوسرے اشقیاء کوفہ سے قادسیہ کو بھاگ گئے۔ مختار نے مالک ابن عمرو نہدی نام ایک افسر کو ان کی گرفتاری کے لے بھیجا۔ اس نے انہیں جا پکڑا اور عشاء کے وقت مختار کے پاس لے آیا۔ مختار نے ان سے کہا اے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب اور آل رسولؐ کے دشمنو! حسینؓ بن علیؓ کہاں ہیں؟ میرے پاس حسینؓ کو لاؤ۔ تم نے اس بزرگ ہستی کو قتل کیا۔ جس پر نماز میں درود وسلام بھیجنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا۔ اللہ امیر پر رحم کرے۔ ہمیں جبراً ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں۔ مختار نے کہا۔ تم نے اپنے نبیؐ کے نواسے پر کیوں احسان نہ کیا؟۔ اس پر تم کو کیوں رحم نہ آیا؟۔ انہیں کیوں پانی نہ پینے دیا؟ اس کے بعد بدی سے خطاب کر کے کہا۔ کیوں بے بدی کے بچے! تو جناب امام حسینؓ کی ٹوپی اتاری تھی؟ عبد اللہ ابن کامل نے کہا۔ ہاں جناب! یہی وہ شخص ہے۔ مختار نے حکم دیا کہ بدی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر کے چھوڑ دو۔ تا کہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اسی طرح جان نکلتے نکلتے ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے دونوں

ساتھی بھی نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔

حکیم ابن طفیل طائی کا قتل

مختار نے اپنے افسر پولیس عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ حکیم ابن طفیل طائی کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس نے مقتل کربلا میں حضرت عباس علم بردار کے لباس و اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے تیر مارا تھا۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ میرا تیر حسینؑ کے پاجامے میں اٹک کر رہ گیا تھا اور اس سے ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ ابن کامل نے اس کو گرفتار کیا اور مختار کے پاس لے چلا۔ ان دنوں حضرت عدی ابن حاتمؓ جو پیغمبر خداﷺ کے صحابیؓ تھے کوفہ میں تشریف فرما تھے۔ چونکہ یہ شخص حضرت عدی ابن حاتم طائیؓ کا ہم قوم تھا۔ حکیم ابن طفیل کے اقرباء روتے پیٹتے ان کے پاس فریاد رسی کے لئے پہنچے اور جناب عدیؓ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ حکیم بالکل بے گناہ ہے۔ اس نے اہل بیتؑ نبوت کے خلاف کسی کام میں حصہ نہیں لیا۔ حضرت عدیؓ سفارش کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عدیؓ نے پہلے عبداللہ ابن کامل سے مل کر سفارش کی۔ اس نے کہا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا۔ امیر مختار حاکم مجاز ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا میں مختار کے پاس بھی جاتا ہوں۔ اس سے پیشتر مختار نے بہت سے ملزموں کو حضرت عدیؓ کی سفارش پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر ان لوگوں میں سے کسی پر آل رسولؐ کے قتل کا الزام نہیں تھا۔ جب حضرت عدیؓ قصر امارت کی طرف روانہ ہوئے۔ تو شیعوں نے ابن کامل سے کہا ہمیں خوف ہے کہ امیر مختار اس خبیث کے متعلق حضرت عدیؓ کی سفارش قبول کر لیں گے۔ حالانکہ اس کا جرم ثابت ہے۔ اس لئے اگر اجازت دو تو ہم حکم رہائی سے پہلے ہی اس کا کام کر دیں۔ ابن کامل نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے حکیم کو جس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں ایک جگہ نشانہ بنا کر کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباسؑ کے کپڑے اتارے تھے۔ ہم بھی تیرے کپڑے اتارتے ہیں۔ چنانچہ اس کو برہنہ کر دیا۔ پھر اس سے کہا کہ تو نے امام حسینؑ کو صرف ایک تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ ہم بھی تجھے ایک ہی تیر کا نشانہ بناتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک ایسا تیر مارا جو پیام مرگ ثابت ہوا۔ کہتے ہیں کہ گو تیر ایک ہی تھا۔ لیکن اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ اس میں سے بہت سے پیکان نکل کر آ لگے۔ جب حضرت عدیؓ مختار کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے پاس بٹھایا۔ عدیؓ نے اپنے آنے

کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا کیا آپ پیغمبر خداﷺ کے تربیت یافتہ ہو کر اس امر کو روار کھتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قاتلوں کو مجھ سے طلب فرمائیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا کہ آپ کو اس کے متعلق غلط اطلاعیں پہنچی ہیں۔ مجھے کامل یقین دلایا گیا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ۔ مختار نے کہا۔ اچھا میں آپ کی خاطر اسے چھوڑے دیتا ہوں۔ اتنے میں ابن کامل بھی وہاں پہنچ گیا۔ مختار نے پوچھا حکیم کیا ہوا؟۔ ابن کامل نے کہا میں مجبور تھا شیعوں نے کسی طرح نہ مانا۔ یاد رہے کہ اس باب میں جہاں کہیں شیعہ کا لفظ آیا ہے۔ اس سے آج کل کے رافضی مراد نہیں ہیں۔ جو حضرت سیدالاوّلین والآخرینﷺ کے اصحاب کبارؓ کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ شیعان علیؓ سے مراد صرف حامیان علیؓ ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو علی رغم اہل شام حضرت امیرالمومنین علیؓ کے معاون وناصر تھے۔

عثمان ابن خالد جہنی کا قتل

ایک دن مختار نے عبداللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ عثمان ابن خالد جہنی اور بشر ابن سوط قاضی کو گرفتار کر لاؤ۔ یہ دونوں اشخاص حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ میں برسر پیکار تھے اور جناب عبدالرحمٰن ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کر کے ان کے لباس اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبداللہ ابن کامل عصر کے وقت ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بنی دہمان کی مسجد میں پہنچا اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر عثمان ابن خالد میرے پاس نہ لایا گیا تو میں تم سب کی گردن ماردوں گا۔ بنو دہمان نے کہا۔ ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم اسے تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی۔ چونکہ مختار کی طرف سے قاتلان اہل بیت کے خلاف دار و گیر کا سلسلہ زور شور سے جاری تھا۔ یہ دونوں کوفہ سے اس کوشش میں نکلے تھے کہ جزیرہ کو بھاگ جائیں۔ بنی دہمان نے ان دونوں کو ایک احاطہ میں پایا اور انہیں اپنے ساتھ عبداللہ بن کامل کے پاس لے آئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تم پر قابو ملا۔ ابن کامل انہیں لے کر روانہ ہوا۔ جب بنو جعد کے کنوئیں پر آیا تو دونوں کی گردن ماردی اور دارالامارت پہنچ کر مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ مختار نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور ان کی لاشوں کو نذر آتش کر دو اور جب تک لاشیں جل نہ جائیں۔ ان کے دفن کرنے کی ممانعت کردو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

عمرو ابن صبیح صیدادی کی ہلاکت

عمرو ابن صبیح صیدادی نے حضرت عبد اللہ ابن عقیل ابن ابی طالب کو شہید کیا تھا۔ جب رات کا زیادہ حصہ گذر چکا اور سب لوگ سو گئے تو پولیس گرفتاری کے لئے اس کے مکان پہنچی۔ یہ اس وقت مکان کی چھت پر بے خبر سو رہا تھا۔ تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی۔ پولیس نے اچانک سر پر پہنچ کر پہلے تلوار پر قبضہ کیا۔ پھر اس کو گرفتار کر لیا۔ جب اس نے اپنی تئیں پولیس کی گرفت میں دیکھا تو کہنے لگا۔ اللہ اس تلوار کا برا کرے۔ یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی۔ لیکن اب کتنی دور ہو گئی۔ یہ لا کر مختار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت مختار نے اسے اپنے قصر ہی میں قید کرا دیا اور صبح کو دربار عام میں حاضر کیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا اس کے سامنے حاضر کیا گیا تو مختار کو خطاب کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا۔ اے کافر و فاجر! اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں کمزور اور پست ہمت نہیں ہوں۔ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں تمہارے بجائے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ کیونکہ میں تمہیں بدترین خلائق سمجھتا ہوں۔ کاش! اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تجھے مزا چکھا دیتا۔ اس کے بعد اس نے پولیس افسر عبد اللہ ابن کامل کی آنکھ پر زور سے طمانچہ رسید کیا۔ ابن کامل ہنسا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مختار سے کہنے لگا۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے آل محمدؐ کو زخمی کیا اور ان پر نیزہ بازی کی۔ اب آپ اس کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہا نیزے مار مار کر اس کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔

اسی طرح مختار نے بہت سے دوسرے دشمنان آل رسول ﷺ کا بھی قلع قمع کیا۔ لیکن بخوف طوالت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرات اخذ و بطش کے مزید کارنامے معلوم کرنا چاہیں۔ وہ تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

(نوٹ: ''ائمہ تلبیس'' کا فصل نمبر ۴ یہاں ختم ہوا۔ جس مختار ثقفی نے شہدائے کربلا کے قاتلین سے انتقام لیا۔ حب اہل بیتؓ کے نام پر حکمرانی کو پذیرائی ملی۔ حالانکہ ابتداء میں خود خارجی اور اہل بیتؓ کا مبغض تھا۔ تو بعد میں ایسی بدنصیبی سوار ہوئی کہ مدعی نبوت ہو گیا۔ اس کے حالات ''ائمہ تلبیس'' کی فصل نمبر ۵ میں مذکور ہیں۔ وہ دیکھ لئے جائیں۔ ناشر!)